الکتاب

ڈاکٹر اسرار احمد

بسلسلہ پندرھویں صدی ہجری تقریبات
پاکستان ٹیلی وژن کارپوریشن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

پروگرام "الکتاب" پاکستان ٹیلی وژن راولپنڈی/اسلام آباد سنٹر سے قومی نشریاتی رابطہ پر ۱۳۹۰ھ کے رمضان المبارک میں پیش کیا گیا۔

پروگرام "الکتاب" ماہ رمضان المبارک کے ۳۰ یا ۲۹ دنوں کے پیش نظر قرآن مجید کے تیس پاروں پر مشتمل تھا۔ اس پروگرام کا مقصد قرآنی پاروں کے عام فہم تجزیے اور تفسیر کے ذریعے ناظرین کو قرآن اور اسلامی تعلیمات کے قریب تر لانا تھا۔ رمضان المبارک کے مہینے میں تراویح کے دوران روزانہ قرآن مجید کے ایک یا سوا پارے کی تلاوت ہوتی ہے۔ اس پروگرام کا مقصد خاص طور پر یہ بھی تھا کہ ہر روز ناظرین کیلئے تلاوت سے قبل اس پارے کے معانی، نزول آیات کے محرکات، سورتوں کا پس منظر اور مفہوم بیان کیا جائے تاکہ تراویح میں تلاوت کے دوران لوگ قرآنی آیات کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

"الکتاب" میں قرآنی پاروں کے تجزیے کے لئے ہمیں ڈاکٹر اسرار احمد کا تعاون حاصل رہا۔ ڈاکٹر صاحب نہ صرف ایک عالم دین ہیں بلکہ مفسر قرآن بھی ہیں ان کے پر اثر اور دلنشیں انداز تخاطب اور بیان سے ہمارا یہ پروگرام ناظرین کے ہر طبقہ میں مقبول ہوا۔

پندرھویں صدی ہجری تقریبات کے سلسلے میں مختلف مذاکروں اور دوسرے علمی اور ثقافتی پروگراموں میں اسلامی فکر و عمل کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اور قرآن حکیم بلاشبہ اس فکر و عمل کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری تقریبات کے سلسلے میں پروگرام "الکتاب" کی اشاعت پاکستان ٹیلی ویژن کی طرف سے اس فکری و عملی تحریک کا ایک حصہ ہے۔ امید ہے جہاں ہمارے پروگرام نے ناظرین سے داد حاصل کی، وہاں اب اس کی کتابی صورت بھی مقبول ہوگی

(میجر جنرل) مجیبُ الرحمان خان
ہلالِ امتیاز (عسکری)

چیئرمین:
پاکستان ٹیلی وژن کارپوریشن لمیٹڈ

۔مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۰ء

الٓمٓ

١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۞ (آیت ۱تا۴۔ البقرۃ)

السلام علیکم! نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

اب سے ایک ہزار چار سو گیارہ برس قبل رمضان المبارک ہی کے مہینے میں ایک مقدس اور مبارک رات کو پورا قرآن مجید لوحِ محفوظ سے سمائے دنیا پر نازل ہوا۔ اور اسی مبارک مہینے میں قرآن مجید کا نزول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر شروع ہوا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کا یہ نزول لگ بھگ تیئس ۲۳ سالوں میں مکمل ہوا۔ اس دوران میں ہر سال رمضان المبارک ہی میں جس قدر قرآن مجید اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا تھا، اس کا مذاکرہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ کرتے تھے۔ تاآنکہ اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری رمضان المبارک میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے قرآن مجید کا مذاکرہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ دو مرتبہ کیا۔ اسی طرح گویا قرآن مجید کی ترتیب خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معین فرمائی اور آپؐ قرآن مجید کو امتِ مسلمہ کو منتقل

فرما کر اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور صحابہ اکرام کے دور میں قرآن مجید کی تقسیم صرف سورتوں اور آیات میں تھی۔ اس کے علاوہ صرف ایک لفظ ہمیں اور ملتا ہے۔ اور وہ احزاب کا یا منزلوں کا ہے۔ اس کو اس طرح گروپ کر دیا گیا کہ وہ سات حصوں میں منتقل ہو گیا۔ تاکہ ایک حصہ یا ایک چیز یا ایک منزل روزانہ تلاوت کر کے ہر ہفتے میں قرآن مجید کی تلاوت مکمل ہو جائے۔ بعد میں جب مسلمانوں کا ایمان اور اسلام کا جوش و خروش قدرے کم ہوا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن مجید کو تیس حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ ہر مسلمان ہر روز ایک پارہ پڑھ کر ہر مہینے میں قرآن مجید کی تلاوت مکمل کر لیا کرے۔ چنانچہ یہ قرآن مجید کے تیس پارے وجود میں آئے۔ اور اس کے ساتھ ہی ہر پارے کو بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ ہر سورت کو رکوعوں میں تقسیم کیا گیا اور اس تقسیم سے آج ہم زیادہ واقف ہیں۔

قرآن حکیم کا پہلا پارہ جو "الٓـمّ" کے نام سے موسوم ہے۔ سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی ایک سو اکتالیس آیات پر مشتمل ہے۔ سورۃ فاتحہ جو ہماری نماز کا جزو لازم ہے۔ قرآن حکیم کی اہم ترین سورۃ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بہت سے نام بھی ہیں۔ اسے اُم القرآن بھی کہا گیا ہے۔ اساس القرآن بھی کہا گیا ہے اس لئے کہ یہ قرآن مجید کے فلسفہ حکمت کے لئے بمنزلہ اساس ہے۔ اسی طرح اس کا نام الکافیہ اور الشافیہ بھی ہے۔ سورۃ فاتحہ اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید کی افتتاحی سورۃ ہے۔ یہ سات آیات پر مشتمل ہے۔ اور اس میں درحقیقت فطرت انسانی کی ترجمانی کی گئی ہے کہ ایک سلیم الفطرت اور صحیح العقل انسان اس حقیقت تک بھی رسائی حاصل کر لیتا ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے۔ ایک مالک ہے۔ اور وہی اس کا پروردگار اور پالنہار ہے۔ جو رحمان بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ پھر اس حقیقت تک بھی اس کی رسائی ہو جاتی ہے کہ انسانی اعمال عبث اور بیکار نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا نتیجہ نکل کر رہیگا۔ اور انسان کو اپنے اعمال کی جزا یا سزا مل کر رہے گی۔ اور اس کا پورا اختیار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہوگا۔ جو رب العالمین ہے۔ اس کے بعد اس سورۃ مبارکہ کے آخر میں گویا کہ انسانی فطرت کی اس پکار کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کو الفاظ کا جامہ پہنایا گیا ہے کہ اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لئے انسان ایک متوازن اور معتدل راستے کا محتاج ہے۔ اور یہ معتدل اور متوازن راستہ انسان اپنی عقل سے معین نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لئے وہ مجبور ہے کہ اللہ ہی سے درخواست کرے۔

کہ وہ اس کے سامنے صراطِ مستقیم کو واضح کرے اور اس پر چلنے کی اسے توفیق عطا فرمائے۔ اس سورۃ فاتحہ کا گویا کہ جواب ہے پورا قرآن مجید یہی وجہ ہے کہ اگلی سورۃ "سورۃ بقرہ" شروع ہوتی ہے انہی الفاظ سے کہ آلٓمّٓ ج ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ یہ وہ کتاب ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور یہ ہدایت ہے ان لوگوں کے لئے کہ جن کے دلوں میں خوف خدا ہو۔ جن میں نیکی کا شعور اور احساس موجود ہو۔ جو بھلائی کے اور ہدایت کے طالب ہوں۔ ان کے لئے کامل ہدایت نامہ اس قرآن شریف کی صورت میں انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمادیا۔ پہلے پارہ میں سورۃ بقرہ کی ایک سو اکتالیس آیات آئی ہیں یہ سورہ مبارکہ قرآن مجید کی طویل ترین سورہ ہے۔ یہ ایکسو اکتالیس آیات اور سولہ رکوع میں منقسم ہے۔ جن میں سے پہلے دو رکوع تمہیدی نوعیت کے ہیں۔ جن میں تین قسم کے انسانوں کا ذکر ہے۔ ایک وہ جو قرآن مجید سے صحیح طور پر مستفیض ہو سکتے ہیں۔ اس استفاضہ کی شرائط ان لوگوں کے اوصاف کی صورت میں بیان کردی گئی ہیں۔ ایک وہ لوگ جو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث یا اپنے تعصب کی بنیاد پر یا تکبر یا حسد کی وجہ سے کفر پر اڑ گئے ہیں اور اب گویا انھوں نے قرآن کریم کی ہدایت سے اپنے آپ کو یکسر محروم کر لیا ہے۔ اور ایک ان دونوں کے مابین ایک گروہ جنھیں ہم منافقین کے نام سے جانتے ہیں۔ جو مدعی تو ایمان کے ہوتے ہیں لیکن جن کے دلوں میں ایک روگ ہوتا ہے۔ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ (آیت ۱۰۔ البقرہ) اور یہ روگ جو ہے ان کو ایمان کی طرف یکسو نہیں ہونے دیتا۔ اس کے بعد دوسرے رکوع میں گویا قرآن مجید اپنی دعوت کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔ اس کی اہم ترین آیت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ (آیت ۲۱۔ البقرہ)

اے انسانو! اے بنی آدم! اپنے اس رب کی بندگی اور پرستش اور اطاعت اور غلامی اختیار کرو۔ جس نے تمھیں پیدا فرمایا۔ اور تم سے پہلے جتنے انسان ہو گزرے ان سب کو پیدا کیا۔ اس کے بعد پھر انتہائی دلنشین پیرائے میں سولہویں رکوع میں یہود کو دعوت دی گئی کہ ایمان لاؤ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اتباع کرو اسی دینِ ابراہیمی کا اسی ملّت ابراہیمی کا جس پر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کاربند ہیں اور جس کی طرف اب تمھیں دعوت

ہو رہے ہیں۔ یہ دعوت ختم ہوتی ہے بڑے ہی بلیغ پیرائے میں کہ اے اہل کتاب بنی اسرائیل! ہمارے اور تمہارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید پر کاربند تھے۔ اسی توحید کی دعوت اور اسی کی وصیت انھوں نے اپنی نسل کو کی تھی اور اسی دعوت کو محمد رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم آج تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اب اگر تم اس سے روگردانی کروگے تو یہ بات کہ تم ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہو اور جلیل القدر انبیاء تمھاری نسل سے پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ کے عذاب سے تمھیں بچا نہ سکے گی بلکہ اب اللہ کے عذاب سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔

سَیَقُولُ ۲

سَیَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (آیت ۱۴۲- البقرہ)

قرآن مجید کا دوسرا پارہ جو سیقول کے نام سے موسوم ہے۔ کل کا کل سورۂ بقرہ کی ایکسو گیارہ آیات پر مشتمل ہے۔ یعنی آیات نمبر ۱۴۲ تا آیت نمبر ۲۵۲۔ یہ آیات تقریباً پونے سترہ رکوعوں پر منقسم ہیں۔ جن میں سے پہلے دو رکوعوں میں تحویل قبلہ کا حکم وارد ہوا ہے۔ یعنی یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ نماز میں اپنا رُخ بیت المقدس کی بجائے مسجد حرام یعنی خانۂ کعبہ کی طرف کریں۔ تحویل قبلہ کا یہ حکم درحقیقت علامت تھا اس بات کی کہ حامل کتاب الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کے امین ہونے کی حیثیت سے اور جو مقام اور جو مرتبہ ایک طویل عرصے سے بنی اسرائیل کو حاصل تھا۔ اب وہ اس مقام سے معزول کئے جاتے ہیں۔ اور ان کی جگہ امت محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اس مرتبہ اور مقام پر فائز کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اب بنی اسرائیل کے مرکز یعنی بیت المقدس کی بجائے آئندہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اہل توحید کا قبلہ خانۂ کعبہ ہوگا۔ اس تحویل قبلہ کے حکم کے ضمن میں یہ بات بھی بیان فرمادی گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دراصل اس دعائے ابراہیمی کا ظہور ہے۔ جس کا ذکر پہلے پارے کے آخر میں ہوچکا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَ

يُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (آیت ۱۵۱۔ البقرہ)

اے مسلمانو! ایسے ہی ہم نے مبعوث کیا تم پر اپنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہی میں سے ہے۔ تمھیں سناتا ہے ہماری آیات اور تمھارا تزکیہ کرتا ہے۔ تمھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے کی حیثیت سے اب مسلمانوں کے کاندھوں پر جو نازک ذمہ داری آ گئی ہے۔ اس کا ذکر بھی اس دوسرے پارے کے بالکل آغاز میں فرمایا گیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (آیت ۱۴۳۔ البقرہ)

اور اسی طرح ہم نے تمھیں بہترین امت بنایا۔ تاکہ تم گواہ بن جاؤ پوری نوع انسانی پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہو جائیں گواہ تم پر۔ یعنی جو پیغام ربانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تم تک پہنچایا اور تم پر اللہ کی طرف سے حجت قائم کر دی اب اسی پیغام کو پوری نوع انسانی تک پہنچانا تمھاری ذمہ داری ہے۔ وہ دین حق جو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر بھیجا۔ جس کی تبلیغ اور جس کو دنیا میں قائم کرنا ان کا فرض منصبی ہے۔ اب وہ فرض بحیثیت امت تمھارے کاندھوں پر آ گیا ہے۔ چنانچہ اس کے فوراً بعد خطاب شروع ہوا امت مسلمہ سے بحیثیت امت مسلمہ۔ پہلے پارے میں اکثر و بیشتر خطاب کا رخ یہود کی طرف تھا۔ لیکن اس پورے پارے میں خطاب امت مسلمہ سے ہے۔ اور آغاز ہی میں یہ پیشگی تنبیہ فرما دی گئی کہ مسلمانو! جو نازک ذمہ داری تمھارے کاندھوں پہ ہے اس کے لئے تمھیں ہر نوع کے خطرات سے دوچار ہونے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ آیت ۱۵۳۔ البقرہ)

اس راستے میں کامیابی کے لئے تمھیں صبر اور نماز سے مدد حاصل کرنی چاہیئے۔ اس راہ میں ہر طرح کی آزمائشوں سے تمھیں دوچار ہونا ہوگا۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۙ

(آیت ۱۵۵، البقرہ)

اس کے فوراً بعد توحید کا ذکر ہوا۔ اس لئے کہ وہ دینِ اسلام کا اصل اصول ہے اور یہاں اس توحید کے بیان میں ایک بڑی اہم بات یہ ارشاد فرمائی گئی کہ توحید کا حاصل اور لب لباب یہ ہے کہ بندے کو سب سے زیادہ اور شدید محبت اللہ کے ساتھ ہو جائے۔ دنیا کی ہر شے سے مال و منال سے اہل و عیال سے حتیٰ کہ اپنی جان سے اللہ تعالیٰ کا عزیز تر اور محبوب تر ہو جانا۔ یہ درحقیقت توحید کا خلاصہ اور لب لباب ہے فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط (آیت ۱۶۵-البقرۃ)

اس کے بعد امتِ مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں ایک طرف احکام بیان ہوئے ہیں۔ حلال اور حرام کے احکام، کھانے اور پینے کے سلسلے میں حلت و حرمت کے احکام، اس کے ساتھ وراثت کے متعلق وصیت کے کچھ احکام۔ پھر قصاص کے متعلق کچھ احکام اور اس کے بعد حکم وارد ہوا روزہ کا۔ رمضان المبارک کی عظمت کے بیان کے ساتھ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط (آیت ۱۸۵-البقرۃ)

رمضان کا مبارک مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ نوعِ انسانی کے لئے ہدایت اور رہنمائی اور ہدایت بھی وہ جو بیّنات پر مشتمل ہے کھلی کھلی تعلیمات اور واضح اور روشن دلائل کے ساتھ حق اور باطل کو بالکل جدا کر دینے والی چیز۔ تو اس مبارک مہینے کا حق یہ ہے کہ جو کوئی اس مہینے کو پائے وہ اس میں روزے رکھے۔

اس کے بعد حکم قتال وارد ہوا کہ اے مسلمانو! اب دعوتِ اسلامی ایک نئے مرحلہ میں داخل ہو چکی ہے۔ ہجرت سے قبل تمھیں اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دی گئی تھی۔ حکم یہ تھا کہ چاہے تمھیں مارا جائے تمھیں دھکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا جائے چاہے تمھیں تپتی ہوئی سنگلاخ زمین پر اوندھے منہ گھسیٹا جائے لیکن تمھیں اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ دورِ ہجرت پر ختم ہو چکا اب دعوت اسلامی نئے دور میں داخل ہو چکی ہے۔ اب مسلح تصادم کا دور ہے۔ جہاد اور قتال بالسیف کا دور ہے۔ لہٰذا اس نئے دور کے لئے اپنے آپ کو تیار کر دو۔ چنانچہ چوبیسویں رکوع میں حکم قتال

وارد ہوا ہے۔ اس کے بعد دو رکوعوں میں حج کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ مناسک حج کا یہ بیان اہمیت رکھتا ہے اس پہلو سے کہ جس زمانے میں یہ آیات نازل ہو رہی تھیں مسلمانوں کے لئے حج کرنا ممکن نہ تھا۔ گویا حج کے ایام میں ان آیات کی تلاوت سے مسلمانوں کے جذبہ دینی کو مشتعل کرنا مقصود تھا ان کی حمیت اور غیرت کو بیدار کرنا تاکہ انھیں یہ بات یاد رہے کہ ان کا اصل مرکز توحید کا اصل مرکز خانہ کعبہ مشرکین کے زیر تسلط ہے۔ اس کو واگزار کرانا مشرکین کے قبضے سے اس کو آزادی دلانا اور اس کو توحید ہی کا مرکز بنانا جس کے لئے فی الواقع اس کی تعمیر ہوئی تھی یہ ان کا فرض منصبی ہے۔ یہ حکم قتال دوسرے پارے کے آخر میں پھر آیا ہے۔ اور وہاں خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے یہود کی تاریخ کے اس دور کا جس میں کہ حضرت طالوت علیہ السلام کی جنگ ہوئی تھی جالوت کے ساتھ۔ اور یہی جنگ تھی درحقیقت جو یہود کے دورِ عظمت کی تمہید بنی تھی۔ اسی جنگ ہی کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا شان و شوکت والا دور آیا۔ جو یہود کی تاریخ کا زریں دور ہے اس کا آغاز ہوا گویا کہ مسلمانوں کے لئے ایک پیشگی خوشخبری تھی کہ ایک مسلح تصادم کے بعد وہ دور دور نہیں ہے جبکہ اللہ کا دین سرزمین عرب پر غالب ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح و نصرت سے نوازے گا۔

اس دوسرے پارے کی ایک اور بھی آیت ایسی ہے جس کا اجمالی ذکر بہت مفید ہوگا وہ ہے آیت نمبر ۱۷۷ جسے آیۂ بِر کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ جس میں اسلام کی جملہ تعلیمات کو بڑی جامعیت کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔ نیکی کا صرف ظاہر سے تعلق نہیں ہے۔ اعمال کا ظاہر اور ہے اور اس کی روح اور ہے کہ حقیقی باطنی جذبہ محرکہ کے اعتبار سے نیکی کا تعین ہوگا یہ نیکی جو انسان کے تصحیح عقیدہ سے شروع ہوتی ہے ایمان اسکا نقطۂ آغاز ہے۔ اور اس نیکی کا انسانی عمل اور کردار میں مظہر اول انسانی ہمدردی کا مادہ ہے۔ اور پھر معاملات انسانی میں ایفائے عہد اور پھر صبر و صداقت کے لئے، سچائی کے لئے، حق کے لئے، خیر کے لئے۔ اللہ کے دین کے لئے صبر و ثبات کے ساتھ ہر نوع کی تکالیف کو برداشت کرنا یہ تمام اوصاف اگر انسانی سیرت اور کردار میں جمع ہو جائیں۔ تب وہ شخص حقیقتاً نیک اور متقی کہلانے کا مستحق ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ م مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط (آیت ۲۵۳- البقرہ)

قرآن حکیم کا تیسرا پارہ "تلک الرسل" کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں پہلے سورۂ بقرہ کی آخری چونتیس آیات شامل ہیں جو تقریباً سات رکوعوں میں منقسم ہیں اور اسکے بعد سورۂ آلِ عمران کی اکانوے آیات شامل ہیں جو نو رکوعوں میں منقسم ہیں۔ سورہ بقرہ کی جو آیات اس پارے میں وارد ہوئی ہیں ان میں بالکل آغاز ہی میں وہ آیہ مبارکہ بھی ہے جسے متعدد روایات کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی عظیم ترین آیت قرار دیا ہے۔ یعنی "آیۃ الکرسی" اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط (آیت ۲۵۵- البقرہ)

اللہ ہی معبود برحق ہے۔ اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے اور پوری کائنات کو وہی تھامے ہوئے ہے۔ اس کا علم بھی کامل ہے۔ اس کی قدرت بھی کامل ہے۔ یہ آیۂ مبارکہ بالخصوص توحید کی صفات کے میدان میں نہایت جامع اور ربیت ہی عظمت کی حامل ہے۔ اس میں صفات باطلہ کی بھی نفی کی گئی ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط ۔ (ایضاً)

کون ہے وہ شفاعت کرنے والا جو اللہ کے ہاں شفاعت کرسکے۔ مگر اس کی اجازت سے یہ شفاعت حقہ ہے جو اللہ کی اجازت سے ہوتی ہے۔ اور جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے اپنی امت کے حق میں اور اولیا

اللہ نہ کسی، اللہ کے پسندیدہ بندوں کو بھی اللہ تعالیٰ اجازت دے گا۔ اور وہ شفاعت فرمائیں گے۔ لیکن یہ کہ بغیر اللہ کی مرضی کے، وہاں کسی کو بھی بولنے کا یارا نہ ہوگا۔ اس کے فوراً بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ان کی زندگی کے بعض اہم واقعات اور وہ واقعہ بھی جو شہنشاہ وقت کے دربار میں پیش آیا جبکہ انھوں نے بادشاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوری جرات مردانہ کے ساتھ ایمان باللہ کا اعلان کیا اور توحید کا غلغلہ بلند کیا اور وہ واقعہ بھی کہ جس میں خود انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے ایمان اور یقین میں اضافہ کے لئے درخواست کی کہ "رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی" (آیت ۲۶۰، البقرہ) پروردگار دکھا مجھے تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔ اس کے بعد سورۂ البقرہ کے دو رکوع "انفاق فی سبیل اللہ" کی ہدایات اور احکامات پر مشتمل ہیں۔ یعنی جہاں اللہ کے دین کے لئے جسمانی محنت ومشقت کی ضرورت ہے۔ وہاں مال خرچ کرنا بھلائی کے دوسرے کاموں میں بھی غربا کے لئے، مساکین کے لئے لیکن اس کی جو بہت بہتر اور برتر صورت ہے۔ وہ یہ کہ اللہ کے دین کو دنیا میں قائم کرنے کیلئے اللہ کے دین کے غلبے کے لئے اللہ کی راہ میں مال صرف کیا جائے اور یہ مال پورے خلوص اور اخلاص کے ساتھ صرف کیا جائے اس میں ریاکاری کا کوئی پہلو شامل نہ ہونے پائے اس میں جو بہتر اور انسان کو محبوب تر ہو وہ خرچ کیا جائے۔ تو دو رکوعوں میں بڑی جامعیت کے ساتھ "انفاق فی سبیل اللہ" کا ذکر ہے اور یہ درحقیقت ایک گوشہ ہے جہاد فی سبیل ہی کے حکم کا۔ اسی لئے جہاد کا حکم قرآن پاک میں جہاں بھی آیا وہاں اس کے دونوں پہلو بیان ہوئے۔

وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ (آیت ۱۱، الصف، پارہ ۲۸)

جہاں جان سے جہاد مطلوب ہے انسان اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو صرف کرے۔ یہاں تک کہ اپنی جان بھی اگر وقت آئے یا ضرورت درپیش ہو تو اس کا نذرانہ بھی بارگاہ ربانی میں پیش کر دے۔ تو وہاں مال کا صرف کرنا بھی دین کے غلبے کے لئے اور دین کی نشر واشاعت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اس کے بعد ایک حکم ہے انفاق فی سبیل اللہ کے جو بالکل برعکس صفت ہے یعنی انسان کے دل میں مال کی محبت اس درجہ پیدا ہو جائے کہ وہ سود کے ذریعے سے انتہائی بے رحمی کے ساتھ انسان دوسرے غریبوں کا خون چوس کر اپنی دولت میں اضافہ کرے اس کی انتہائی شدت کے ساتھ مذمت ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جن جن چیزوں سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے ان میں جس شدت کے ساتھ سود کی ممانعت وارد ہوئی ہے وہ شدت کسی اور حکم میں ہمیں نظر نہیں آتی۔ اسلئے کہ فرمایا گیا کہ

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا۔ اگر تم اس سے باز نہ آؤ۔ فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (آیت ۲۷۹ البقرہ)
تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تمھارے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے اعلانِ جنگ ہے۔ اس کے بعد ایک رکوع میں معاملات انسانی کی درستی کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی قرض کے لین دین کا معاملہ ہو تو اس کو ضرور لکھ لیا کرو۔ اس میں معاملات کے درست ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ اسی ضمن میں شہادت کا قانون بھی بیان ہو گیا اور اس کے بعد سورۃ البقرہ کا آخری رکوع وارد ہوتا ہے۔ جو انتہائی جامع ہے جس میں فرمایا گیا کہ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف (آیت ۲۸۵۔ البقرہ)

گویا کہ ایمانیت کا بڑی جامعیت کے ساتھ یہاں ذکر ہو گیا اور آخر میں ایک عظیم دعا پر یہ سورۃ مبارکہ ختم ہوئی ہے کہ اے ہمارے رب! ہمارا مواخذہ نہ کیجیو اور خطاؤں پر کہ جو ہم سے بھول چوک سے سرزد ہو جائیں اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالیو جو تو ہم سے پہلی قوموں پر ڈالتا رہا ہے۔ اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالیو جس کی ہمارے اندر طاقت نہ ہو۔ اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائیو اور ہمیں اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دیجیو، ہماری بخشش کیجیو اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرمائیو۔ یہ آخری لفظ گویا کہ تمہید بن گیا کہ اب کفار کے ساتھ جہاد بالسیف اور قتال بالسیف کا دور شروع ہونے والا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کے بعد قرآن حکیم میں سورۃ آل عمران آتی ہے۔ یہ سورہ ہر اعتبار سے سورہ البقرہ ہی کا جوڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ایک ہی نام سے موسوم کیا۔ اَلزَّهْرَاوَيْنِ یعنی دو انتہائی روشن سورتیں۔ اس سورہ مبارکہ کا آغاز بھی قرآن مجید کی عظمت کلام الہٰی کی برکت اور بالخصوص اس حقیقت کی طرف منعطف کر دینے سے ہوا کہ قرآن کریم میں کچھ آیات محکم ہیں اور کچھ متشابہ۔ کچھ تو وہ ہیں کہ جن کا مفہوم بالکل واضح ہے جس میں قطعاً کسی ابہام کا شائبہ موجود نہیں اور بعض آیات ایسی ہیں کہ جن کے حقیقی اور صحیح مفہوم کے تعین میں کچھ اشتباہ پیش آ سکتا ہے۔ تو جو اہل حق ہیں، طالبِ ہدایت ہیں وہ آیات محکمات ہی کا تتبع کرتے ہیں اور ان ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں کوئی زیغ ہے جو در حقیقت طالبِ ہدایت نہیں، طالبِ ضلالت و متشابہات ہیں وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کے مفہوم کے تعین کی کوشش کرتے رہتے ہیں انہی تمہیدی

آیات کے بعد گفتگو جو ہے وہ بیشتر نصاریٰ کے ساتھ ہوئی۔ عیسائیوں کے ساتھ ہوئی یعنی سورۃ بقرہؓ میں اہلِ کتاب سے خطاب کیا گیا اور سورۃ آلِ عمران میں خطاب کیا گیا نصاریٰ اور متبعین حضرت مسیح علیہ السلام کو ان سے سب سے زیادہ جو بات وضاحت کے ساتھ فرمائی گئی وہ الوہیت مسیح کے عقیدے کی نفی ہے۔ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ہوا کہ حضرت زکریا علیہ السلام بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کی اہلیہ بھی بانجھ تھیں اور بہت ضعیف ہو چکی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بڑھاپے میں اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ اس طریقے سے اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے ہاں بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ کی ولادت اپنے حکم سے کی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ یا ان کا الوہیت میں کوئی دخل ہے۔ اگر حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں خرقِ عادت کے طور پر حضرت یحییٰ کی ولادت سے حضرت یحییٰ کو خدا کا بیٹا نہیں بنایا گیا تو اگر بن باپ کے بیٹے کی پیدائش حضرت مریم کے ہاں ہوگئی تو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید کیوں سمجھا جائے اور یہ لازم کیوں سمجھ لیا جائے کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک ان کے اس عقیدے کی اس پُرزور نفی کے بعد کچھ گفتگو اہلِ کتاب سے بحیثیت مجموعی بھی ہوئی جس پر یہ پارہ ختم ہوتا ہے۔

لَنْ تَنَالُوا

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ
شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ (آیت ۹۲ - آل عمران)

قرآن حکیم کا چوتھا پارہ "لَنْ تَنَالُوا" کے نام سے موسوم ہے اس کا اکثر وبیشتر حصہ سورۂ آلِ عمران پر مشتمل ہے۔ یعنی آیت نمبر ۹۲ سے آیت نمبر ۲۰۰ تک، جو گیارہ رکوعوں میں منقسم ہے۔ آخر میں ۲۳ آیات سورہ النساء کی اس پارہ میں شامل ہیں۔ سورۂ آلِ عمران کا جو حصہ اس پارے میں شامل ہے اس میں ابتداء میں وہی خطاب جاری ہے۔ جو پچھلے پارے میں اہلِ کتاب سے اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور اس کے بعد جس طرح سورۂ بقرہ کے نصف ثانی میں تمام گفتگو اُمّتِ مسلمہ سے ہوئی۔ اسی طرح سورۂ آلِ عمران کے بھی پورے دس رکوع اُمّتِ محمدعلیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے خطاب پر مشتمل ہیں۔ اس خطاب کا آغاز بڑے جامع انداز میں ہوا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص (آیت ۱۰۲، ۱۰۳، آل عمران)

اے اہلِ ایمان اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے۔ اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اور آپس میں تفرقے میں نہ پڑو۔ یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اللہ کی رسی سے کیا مراد ہے؟ چونکہ قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض منصبی ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت سے ارشاد فرمایا۔ ایک طویل روایت جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس

میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اس میں آپ فرماتے ہیں "ھو حبل اللہ المتین" کہ قرآن ہی اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے۔ گویا اس کو مضبوطی سے تھامنا اللہ کے دامن سے وابستہ ہو جانے کے مترادف ہے۔ اس کے بعد اس سورۃ مبارکہ میں سب سے زیادہ شرح وبسط کے ساتھ غزوہ احد کے حالات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں کفار کے ساتھ پہلا تقادم میدان بدر میں ہوا۔ لیکن قرآن مجید میں اس کا ذکر سورۃ انفال میں ہے۔ جو ترتیب مصحف کے اعتبار سے بہت بعد میں آتی ہے۔ ترتیب مصحف میں سب سے پہلے جس جنگ کا ذکر ملتا ہے وہ غزوہ احد ہے یہ غزوہ سن تین ہجری میں پیش آیا۔ اور اس میں غزوہ بدر کے بالکل برعکس مسلمانوں کو عارضی طور پر شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ مسلمانوں میں سے ستر (۷۰) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جام شہادت نوش فرمایا جو دنبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی چہرۂ مبارک پر زخم آیا۔ خود کی دو کڑیاں آپ کی پیشانی کی ہڈی میں گھس گیئں اور آپ کا پورا چہرۂ مبارک لہولہان ہو گیا۔ گویا کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں مختلف اعتبارات سے صدمات سے دوچار ہونا پڑا۔ تو فطری طور پر قرآن مجید میں اس کے بارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو ان کی کمزوریوں سے آگاہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو تم سے اپنی مدد کا وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا جبکہ تم آغاز جنگ میں کفار کو قتل کر رہے تھے اور گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے لیکن پھر تم نے کمزوری دکھائی۔ تم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی اس جگہ پر کہ جہاں پر پچاس تیر اندازوں کو متعین کیا گیا اس تاکید کے ساتھ کہ یہاں سے ہرگز نہ ہلنا۔ یہاں تک کہ اگر تم یہ بھی دیکھو کہ سب اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے اور ہمارے جسم پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں تب بھی اس جگہ سے نہ ہلنا۔ لیکن ایک غلط فہمی کی بنیاد پر ان لوگوں نے اس حکم کی پرواہ نہ کی نتیجتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو ان کی کمزوریوں پر متنبہ کرنے کے لئے جس کا ذکر خود اس سورۃ مبارکہ میں فرمایا۔

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آیت ۱۴۰۔ آل عمران)

ہم ان دنوں کو لوگوں کے مابین کچھ الٹ پلٹ کرتے رہتے ہیں۔ اونچ نیچ دکھاتے رہتے ہیں تاکہ لوگوں کو اپنی کمزوریوں کا احساس ہو جائے۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ مسلمانو! اس عارضی شکست سے یا یہ جو کہ جو تمھیں لگا ہے بددل نہ ہونا۔ کفار کو دیکھو مشرکین کو دیکھو کہ ایک سال قبل بدر کے میدان میں وہ ستر لاشیں چھوڑ

گئے تھے۔ اور انھیں بڑا زخم لگا تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنے دین باطل اور معبودان باطلہ کے لئے ایک نئی ہمت کے ساتھ دوبارہ تم پر حملہ آور ہوئے۔

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ط (آیت ۱۴۰۔ آل عمران)

اگر تمھیں کوئی چوٹ لگی ہے یا زخم لگا ہے تو تمھارے دشمنوں کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے۔ لہٰذا تمھیں بھی بد دل نہیں ہونا چاہیئے۔ اپنی صفوں کا جائزہ لو جس پہلو سے کمزوری نظر آئے اسے دور کرو آئندہ کٹھن تر مراحل سے سابقہ پیش آنے والا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کا جزو ثانی اکثر و بیشتر غزوۂ احد کے حالات پر تبصرے اور مسلمانوں کی ہدایت پر مشتمل ہے۔ فرمایا گیا کہ ہم نے تو پہلے ہی تمھیں خبردار کر دیا تھا کہ ہم تمھارا امتحان لیں گے۔ اور مشکلات میں اور آزمائشوں میں مبتلا کر کے یہ دیکھیں گے کہ کون ہیں حقیقتاً اللہ کو ماننے والے۔؟ کون ہیں واقعتاً آخرت کے جاننے والے۔؟ کون ہیں جو اللہ کے لئے، اس کے دین کے لئے اپنا تن من دھن سب کچھ نچھاور کرنے کے لئے تیار ہیں؟ اگر یہ آزمائشیں نہ آئیں تو کھوٹے اور کھرے میں تمیز کیسے ہو؟ کس طرح معلوم ہو کہ کون مومن صادق ہے اور کون منافق؟ کون واقعی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق ہے اور کون صرف جھوٹ موٹ کا مدعی ایمان ہے۔؟ اس موضوع پر واقعہ یہ ہے کہ سورۂ آل عمران کی یہ آیات بڑی جامع بھی ہیں اور انتہائی حکمت آمیز بھی جو حکمت قرآنی کے ایک عظیم خزانے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ کا آخری رکوع سورۂ بقرہ کے آخری رکوع کی طرح بڑی جامعیت کا حامل ہے اس میں ایک طرف آغاز میں جو مومنین صادقین بلکہ صحیح تر الفاظ میں صدیقین کے ایمان کے بارے میں ذکر ہے وہ سلیم الفطرت لوگ اور وہ صحیح العقل لوگ جو اس کائنات کے مشاہدے سے آفاق و انفس میں آیات خداوندی کے مشاہدے سے اللہ کو پہچانتے ہیں۔ اور پھر اس حقیقت کو بھی پہچانتے ہیں کہ انسانی زندگی بیکار و عبث نہیں ہے۔ مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج (آیت ۱۹۱، آل عمران) اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ بیکار و عبث پیدا نہیں کیا لہٰذا انسانی اعمال بھی بے نتیجہ نہیں رہ سکتے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ نیکوں کو ان کی نیکوکاری کا صلہ نہ ملے اور مجرموں کو ان کی بدکاری کی سزا نہ ملے۔ تو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے ذکر کے بعد یہ فرمایا کہ جو اس قسم کے سلیم الفطرت اور صحیح العقل لوگ جو توحید اور معاد تک از خود رسائی حاصل کر لیتے ہیں عقل سلیم کی رہنمائی میں جب ان کے کانوں میں کسی نبی کی دعوت پڑتی ہے جو انہی باتوں کی طرف دعوت دے رہا ہوتا ہے تو وہ لبیک کہتے ہیں۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ

(آیت ۱۹۳۔ آل عمران)

اور پھر اس کے بعد ایک بڑی جامع دعا ہے کہ اے رب ہمارے ہماری خطاؤں سے درگذر فرما۔ ہماری لغزشوں کو معاف فرما۔ ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کا وعدہ تونے ہم سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی ان کی دعا کی قبولیت کا اعلان بھی فرمایا۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ (آیت ۱۹۵۔ آل عمران)

ان کی دعا قبول فرمائی۔ ان کے رب نے۔

اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ (ایضاً آیت)

کہ میں کسی عمل کرنے والے کے کسی عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں خواہ وہ عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا (آیت ایضاً)

پس وہ لوگ کہ جنھوں نے ہجرت کی جو اپنے گھروں سے نکالے گئے جنھیں میری راہ میں تکلیفیں جھیلنی پڑیں جنھوں نے میرے لئے میرے دین کے لئے قتال کیا۔ جنھوں نے اپنی جانیں تک نثار کردیں۔ ان سے تو میرا پختہ وعدہ ہے کہ میں ان کی تمام خطاؤں سے درگزر کروں گا۔ اور انھیں لازماً ان باغات میں داخل کروں گا جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔ یہ اللہ کی طرف سے بدلہ ہے اور واقعہ یہ ہے کہ انسانی خدمات کا بدلہ صرف اللہ ہی دے سکتا ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کے بعد تئیس آیات سورۃ النساء کی شامل ہیں۔ جن میں ابتداً کچھ احکامات دیئے گئے ہیں۔ یتیموں کے حقوق کی نگہداشت کے بارے میں انتہائی تاکید کے ساتھ ان کے مال کو امانت کے طور پر اپنے پاس رکھو اور جیسے ہی وہ اس قابل ہو جائیں کہ اپنے مال کو خود سے سنبھال سکیں تو وہ ان کے حوالے کردو اور اس میں کسی خیانت سے کام نہ لو۔ اور اس کے بعد خواتین سے متعلق شادی بیاہ اور نکاح و طلاق کے متعلق کچھ احکام آئے ہیں۔ درمیان میں وراثت کا مکمل ضابطہ ایک ہی رکوع میں بیان کردیا گیا ہے۔ یہ آیات شریعت اسلامی کا انتہائی اہم جزو ہیں۔

وَالْمُحْصَنٰتُ

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ
وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ
غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ
الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (آیت ۲۴ النساء)

قرآن مجید کا پانچواں پارہ جو" والمحصنٰت" کے نام سے موسوم ہے۔ پورے کا پورا سورۃ النساء پر مشتمل ہے یہ سورۃ مبارکہ ایک سو چہتر آیات پر مشتمل ہے۔ جن میں تیس آیات سابقہ پارے یعنی چوتھے پارہ میں آچکی ہیں۔ اور ایک سو چوبیں آیات اس پارے میں شامل ہیں۔ اور انتیس آیتیں ہیں جو چھٹے پارے میں شامل ہیں اس سورۃ مبارکہ میں بھی دو سابقہ سورتوں کی طرح یعنی سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کی طرح امت مسلمہ سے بھی خطاب کیا گیا ہے اور اہل کتاب سے بھی۔ مزید برآں اس سورہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو ہوئی ہے منافقین کے ساتھ جہاں تک مسلمانوں سے خطاب کا تعلق ہے انہیں شریعت کے احکام کی تعلیم بھی دی گئی ہے اور اس سورۃ میں بالخصوص وہ احکام وارد ہوئے ہیں جو مسلمانوں کی گھریلو زندگی اور مسلمانوں کے عائلی نظام سے متعلق یعنی شادی بیاہ کے قوانین اور اس معاشرے کو فحاشی اور بدکاری سے پاک کرنے کے لئے ابتدائی

احکام اور ہدایات بھی اس سورۂ مبارکہ میں وارد ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ امتِ مسلمہ کا اصل فرض منصبی جہاد اور قتال فی سبیل اللہ، اللہ کے دین کا غلبہ اور شہادت علی الناس۔ اس پر تفصیلی بحثیں سورۃ البقرہ اور آلِ عمران میں آچکی ہیں۔ اس پارہ میں بھی اور ایک اور سورۂ مبارکہ میں بھی مسلمانوں کو ان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ بالخصوص شہادت علی الناس کے ضمن میں ایک بڑی عجیب بات اس پارے میں وارد ہوئی یعنی یہ کہ قیامت کے روز جب انسانوں کا محاسبہ ہوگا تو امتوں اور قوموں کے حساب سے قبل اللہ تعالیٰ ان کے نبیوں اور رسولوں کو کھڑا کرے گا۔ جو اس بات کی گواہی دیں گے کہ اللہ تعالیٰ تیرا جو پیغام بذریعہ وحی ہم تک پہنچا تھا۔ وہ ہم نے بلا کم و کاست ان تک پہنچا دیا تھا اب یہ اپنے اس طرزِ عمل کے خود جواب دہ ہیں۔ یہ شہادت علی الناس کا اخروی مظہر ہے۔ وہی چیز جو سورۂ بقرہ میں بیان کی گئی تھی کہ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۔ (آیت ۱۴۳، البقرہ)۔

اس کا یہ دوسرا رخ اس جگہ پر آیا کہ اسی شہادت کا ظہور قیامت میں بھی ہوگا فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ؕ (آیت ۴۱ النساء) وہ دن کیسا ہوگا اور اس روز کیا ہوگا؟ کہ ہم ہر امت کے خلاف ایک گواہ کھڑا کریں گے اور آپ کو کھڑا کریں گے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خلاف گواہ بنا کر اس آیت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ میں ایک عجیب واقعہ وارد ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فرمائش کی کہ مجھے قرآن سناؤ! انھوں نے عرض کی کہ حضورؐ آپ کو سناؤں۔! حالانکہ آپ ہی پر وہ نازل ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں لیکن مجھے دوسروں سے سن کر کچھ اور ہی لطف حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے سورہ النساء کی تلاوت شروع کی جب وہ اس آیت پر پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسبُ، حسبُ بس کرو! بس کرو! حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ اب جو میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے کہ وہ شہادت اخروی کا منظر جو ان آیات میں پیش کیا گیا ہے اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر شدید اثر ہوا۔ اس

سورۂ مبارکہ میں دین کا جو اصل الاصول ہے یعنی توحید۔ اس کی طرف بھی توجہ دلائی گئی۔ دو مرتبہ ان الفاظ میں اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ (آیت ۱۱۶، النساء) اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک برتا جائے۔ کسی کو اس کا ہمسر اور مدِ مقابل ٹھہرایا جائے۔ اس کے سوا اس سے کم تر جو گناہ ہیں وہ جس کو چاہے گا معاف فرمائیگا اہل کتاب سے خطاب کے ضمن میں تقریباً وہی باتیں دوبارہ اجمالاً سامنے لائی گئی ہیں جو اس سے پہلے سورۃ البقرہ اور سورۂ آل عمران میں آ چکی ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ کا جو حصہ اس پانچویں پارے میں آیا ہے۔ اس میں سب سے تفصیلی گفتگو منافقین کے ساتھ ہوئی ہے۔ اگرچہ ان کو بھی خطاب کیا گیا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ ہی کے الفاظ سے اس لئے کہ منافقین بھی بہرحال قانونی اعتبار سے، ظاہری اعتبار سے اُمت مسلمہ میں شامل ہیں منافقین پر بھی جو تین چیزیں سب سے زیادہ گراں گزر رہی تھیں ان کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا۔ پہلی چیز ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلی اطاعت اور کامل متابعت یہ چیزیں منافقین پر بڑی شاق تھیں۔ وہ یوں کہ وہ اس کے لئے تو تیار تھے کہ ان سے نمازیں پڑھوائی جائیں۔ روزے رکھوائے جائیں۔ لیکن زندگی کے ہر معاملے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مطاع بنانا۔ انہی کی اطاعت کو لازم جاننا ان پر بڑا گراں گزرتا تھا۔ فرمایا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (آیت ۵۹، النساء) اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پھر فرمایا فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ؕ (آیت ۶۵۔ النساء) اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، رب کی قسم یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ آپ ہی کو حکم نہ بنائیں، ہر معاملے میں کہ جو ان کے مابین اٹھ کھڑا ہو اور پھر آپ کے فیصلے کو تسلیم نہ کرلیں پورے انشراح صدر کے ساتھ پوری شان تسلیم و رضا کے ساتھ۔ اس کیفیت کے ساتھ کہ ان کے دل میں اس فیصلے کے خلاف کوئی گھٹن نہ موجود ہو۔ اس کے بعد دوسری چیز جو منافقین پر بہت گراں گزرتی تھی۔ وہ جہاد و قتال فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ کی راہ میں جان اور مال کا کھپانا۔ ظاہر بات ہے کہ یہ کام تو انہی کے لئے آسان

ہوسکتا ہے۔ جو اللہ پر پختہ یقین رکھتے ہوں۔ جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہو، زیغ ہو۔ جن کا یقین موجود نہ ہو۔ جو صرف زبان سے ایمان کا اقرار کرتے ہوں اور ان کے دل، اس کی تصدیق سے خالی ہوں۔ ان کے لئے یہ بات کسی طرح بھی آسان نہ ہوسکتی تھی، کہ وہ اپنی جان و مال اللہ کی راہ میں کھپائیں لہٰذا بڑی تفصیل کے ساتھ حکم وارد فرمایا گیا اللہ کی راہ میں قتال کرو۔ یہی ایمان کا تقاضا ہے اور درحقیقت یہی ایمان کا عملی ثبوت ہے۔ اس کے ساتھ تیسری چیز جو منافقین پر بڑی گراں گزر رہی تھی۔ وہ ہجرت کا تھا۔ اللہ کے لئے اور اس کے دین کے لئے، اپنے وطن کو خیرباد کہنا اپنے گھر والوں سے کنبے والوں سے، رشتے داروں سے تعلق منقطع کرکے، آباؤ اجداد کی سرزمین کو خیرباد کہہ کر "مدینہ منورہ" دارالسلام "جو اب اسلام کا مرکز بن چکا تھا۔ وہاں آجانا۔ ان لوگوں کے لئے آجانا تو آسان تھا۔ جو یقین رکھتے تھے۔ اللہ پر اور ایمان لائے تھے۔ پورے صدق دل کے ساتھ لیکن جن لوگوں کو وہ یقین کلی حاصل نہیں تھا ان کے لئے یہ چیز بڑی کٹھن تھی لہٰذا فرمادیا گیا کہ تمہارے ایمان کا ثبوت یہی ہے۔ اور اگر تم اللہ کی راہ میں ہجرت نہیں کرتے تو جان لو کہ تم اللہ کی شدید عقوبت کا اپنے آپ کو سزاوار اور حقدار ٹھہراؤ گے۔ منافقین کے ذکر میں اس پارے کے آخر میں بڑی شدید وعید وارد ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اگرچہ کفار بھی بہت مغضوب ہیں۔ کھلے کافر اللہ کو انتہائی ناپسند ہیں۔ لیکن ان سے بھی کہیں بڑھ کر اللہ کو ناپسند ہیں منافقین کہ جنھوں نے لبادہ اسلام کا اوڑھا ہوا ہو۔ جو زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوں جو زبان سے مدعی ہوں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے، لیکن جن کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ، اور اس کے دین سے اپنی جان اور مال کو زیادہ محبوب رکھتے ہوں۔ جن کے لئے جہاد اور قتال بہت بھاری ہو گیا ہو۔ جن کے لئے اپنے وطن کو خیرباد کہنا اللہ کے لئے۔ اس کے دین کے لئے بہت مشکل ہو گیا ہو۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ؕ ——— (آیت ۱۴۵ — النساء ۴)

جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور ان کو کفار سے بھی بڑھ کر شدید سزا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مہلک مرض سے بچائے رکھے۔

لَا يُحِبُّ ٦

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ
اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا
عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝ (آیت ۱۴۸، ۱۴۹، النساء)

قرآن مجید کا چھٹا پارہ "لایحب اللہ" کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے اس میں پہلے سورۃ النساء کی بقیہ انتیس آیات شامل ہیں اس کے بعد سورۃ مائدہ کی ایک سو بیس میں سے بیاسی آیات ہیں۔ سورۃ النساء کا جو حصہ اس پارے میں شامل ہے اس کا اکثر و بیشتر خطاب اہل کتاب پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اہل کتاب کو بالعموم اور یہود کو بالخصوص متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ان شرارتوں سے باز آجائیں جو وہ اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی یہود کے اس مذموم خیال کی نہایت سختی کے ساتھ تردید کی گئی کہ ان کا یہ خیال تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھوا دیا۔ فرمایا گیا — وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (آیت ۱۵۷۔ النساء) انھوں نے انھیں نہ قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا۔ بلکہ اس پورے معاملے میں ان کو ایک شبہ میں ڈال دیا گیا ہے۔ اس حصے میں ایک بہت اہم مضمون یہ بھی وارد ہوا ہے کہ نبوت اور رسالت کی اصل غرض و غایت کیا ہے چنانچہ بہت سے انبیا کا نام بنام ذکر کرکے فرمایا گیا رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ (آیت ۱۶۵ - النساء)

اگرچہ اللہ نے انسان کو اس دنیا میں سماعت و بصارت اور عقل و شعور اور نیکی و بدی کی تمیز دے کر بھیجا ہے۔ اور اس اعتبار سے ہر انسان مکلف ہے مسئول ہے اور جوابدہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت متقاضی ہوئی کہ انسانوں پر مزید فضل و کرم فرماتے ہوئے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ چنانچہ انبیاء کرام نے اور اللہ کے رسولوں نے حق و صداقت اور عدل کی راہ کو قولاً بھی واضح کیا اور عملاً بھی اس کا ایک نمونہ پیش کر دیا۔ تاکہ انسانوں کے پاس خدا کے یہاں کوئی عذر نہ رہ جائے کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ اے اللہ ہم نہیں جانتے تھے کہ حق کیا ہے۔ اور باطل کیا ہے؟ یا وہ یہ کہہ سکیں کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ لہٰذا انبیاء اکرام کی بعثت کے بعد اور رسولوں کے اس دنیا میں تشریف لانے کے بعد اب گویا نوعِ انسانی پر اتمام حجت ہو گئی۔ اور اب ان کے پاس اللہ کے یہاں پیش کرنے کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہا۔ سورۂ مائدہ ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے قرآن مجید کی آخری سورتوں میں سے ہے۔ اور بالخصوص شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اعتبار سے اس میں ہر پہلو سے تکمیلی احکام وارد ہوئے ہیں۔ سورہ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران اور سورہ النساء کی طرح اس سورۂ مبارکہ میں بھی کچھ آیات میں خطاب اہل کتاب سے ہے اور کچھ آیات میں امت مسلمہ سے خطاب کر کے شریعت کے آخری احکام عطا کئے گئے۔ چنانچہ بالکل آغاز ہی میں کھانے اور پینے کی چیزوں میں حلت اور حرمت کا آخری ضابطہ بیان ہوا۔ ساتھ ہی اہلِ کتاب کی خواتین سے نکاح کی اجازت ملی۔ مزید برآں اس سورۂ مبارکہ میں چوری پر قطع ید کی سزا کا اعلان ہوا قتل ناحق کی شدید مذمت کی گئی اور فتنۂ و فساد اور راہزنی اور ڈاکہ ڈالنے کی سزا انتہائی سختی کے ساتھ مقرر کی گئی۔ اس اعتبار سے یہ سورۂ مبارکہ شریعت کی تکمیل سورۃ ہے۔ اور اس میں وہ آیہ مبارکہ بھی وارد ہوئی ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (آیت ۳ المائدہ) آج ہم نے تم پر اپنے دین کو مکمل فرما دیا۔ اور اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور اس دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا۔ یہ آیۂ مبارکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع کے اس موقع پر نازل ہوئی ہے اور اس میں شریعت کی تکمیل کا اعلان ہو گیا ہے وہ شریعت کہ جو ابقہ

انبیاء کے ذریعہ تدریجی مراحل طے کرتے ہوئے بالآخر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تکمیل کو پہنچی اور خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس کا نزول تدریجاً ہوا۔ چنانچہ اکثر و بیشتر معاملات میں جو ابتدائی احکام ہیں۔ وہ سورۂ بقرہ میں وارد ہوئے ہیں اور تکمیلی احکام وہ ہیں جو اس سورہ مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں۔ اس سورہ مبارکہ میں اہل کتاب سے بھی بہت مفصل خطاب ہے۔ اور اس اعتبار سے بھی کہ یہ سورۂ آل عمران اور سورۂ النساء کے سلسلے کی تکمیلی سورت ہے۔ چنانچہ ان سے بڑے ہی دلنشیں پیرائے میں لیکن ساتھ ہی ان کے کان کھول دینے کے انداز میں فرمایا گیا قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَىْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا۟ ٱلتَّوْرَىٰةَ وَٱلْإِنجِيلَ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ ط (آیت ۶۸۔ المائدہ)۔

اے اہل کتاب! تمہاری کوئی حیثیت نہیں اللہ کی نگاہ میں تمہاری کوئی وقعت نہیں جب تک کہ تم قائم نہیں کرتے، تورات کو اور انجیل کو اور وہ جو کچھ کہ تم پر نازل کیا گیا تمہارے رب کی طرف سے۔ اس میں خود ہم مسلمانوں کے لئے بھی بڑی تہدید ہے۔ اور بڑی تنبیہ ہے۔ ہمیں بھی یہ سوچنا چاہئیے کہ کوئی امت جو اللہ کی کتاب کی حامل قرار پاتی ہے، شریعت آسمانی کی امین بنتی ہے اس کے کاندھے پر امانت کا ایک بار گراں آتا ہے۔ اگر وہ اس شریعت کو خود نافذ نہیں کرتی اس پر خود عمل نہیں کرتی۔ اسے خود اپنی زندگی کا لائحہ عمل نہیں بناتی تو گویا کہ وہ خواہ زبان سے اس شریعت کو ماننے کا اقرار کرے، اپنے عمل سے تکذیب کر رہی ہوتی ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی شدید سزا اور عقوبت کا مستحق بنا دیتی ہے۔ چنانچہ اس سورۂ مبارکہ میں یہ فرما کر خود ہمارے لئے بھی ایک پیشگی تنبیہ اس سورۂ مبارکہ میں عطا فرمادی گئی گویا کہ ہم اس کو یوں پڑھ سکتے ہیں کہ اے اہل قرآن! جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں وارد بھی ہوا کہ "یا اھل القرآن لا تتوسّل القرآن" ــــ کہ اے قرآن والو! قرآن کو صرف تکیہ نہ بنا لو۔ صرف ایک ذہنی سہارا، ایک قلبی اطمینان کہ ہم حامل کتاب الٰہی ہیں۔ ہم اللہ کی شریعت کے حامل ہیں۔ بلکہ اس کتاب کے حقوق ہیں جو تم پر عائد ہوتے ہیں۔ اس کے ضمن میں بڑی اہم ذمہ داریاں ہیں جو تم پر عائد ہوتی ہیں۔ فرمایا لا تتوسّل القرآن واتلوہ حق تلاوتہ فی آناء اللیل والنھار۔ بلکہ اس کو پڑھا کرو جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق

ہے رات کے اوقات میں بھی، دن کے اوقات میں بھی۔ "وَتَغَنَّوْهُ" اور اس کو خوش الحانی سے پڑھا کرو۔
حظ اٹھایا کرو۔ "وَافْشُوْهُ" اور اسے عام کرو۔ اس کے پیغام کو دنیا میں پھیلاؤ۔ اس کے نور سے
چار دانگِ عالم کو منور کرو۔ "وتدبّروا فیہ لعلکم تفلحون"
اور اس میں تدبّر کرو، غور و فکر کرو۔ اس سے تمھاری فلاح وابستہ ہے۔ اس سے تمھیں بھلائی ملے گی
گویا اس سورۂ مبارکہ میں جہاں ایک طرف مسلمانوں کو تکمیلی احکام دیئے گئے ہیں۔ شریعت کے مختلف
پہلوؤں کے اعتبارات سے آخری ہدایات دے دی گئیں۔ وہیں اہل کتاب کے حوالے سے یہ بات بھی
واضح کر دی گئی کہ حامل شریعت ہونا، حامل کتاب الہٰی ہونا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اس کو ادا
کرنے کی فکر کرنی چاہیئے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ
الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا
مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ
الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ○

(آیت ۸۴ - المائدہ)

قرآن مجید کا ساتواں پارہ "وَاِذَا سَمِعُوْا" کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں ابتداً سورہ مائدہ کی اڑتیس آیات شامل ہیں۔ اور اس کے بعد سورۂ انعام شروع ہوتی ہے۔ اس کی کل ایکسو پینسٹھ آیات میں سے ایکسو دس آیات اس پارے میں وارد ہوئی ہیں۔ سورۂ مائدہ کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ احکام شریعت کی تکمیلی سورہ ہے۔ چنانچہ اس میں شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تکمیلی احکام وارد ہوئے ہیں جو حصہ اس ساتویں پارہ میں شامل ہے اس میں بھی احرام کی حالت میں شکار کر لینے پر جو سزا یا کفارہ معین کیا گیا ہے اس کا بیان آیا ہے۔ قسم توڑنے کے کفارے کا بیان ہوا۔ اور شراب اور جوئے کے بارے میں بھی آخری حرمت کا حکم نازل ہوا ہے۔ اس شراب اور جوئے کی آخری حرمت کے حکم پر بعض مسلمانوں کو تشویش ہوئی کہ جو لوگ اس سے پہلے اس حرام چیز سے شغل کرتے رہے اور اسی حالت میں انھوں نے نمازیں بھی پڑھیں ان کی نمازوں کا کیا بنے گا؟

یہ تشویش بالکل اسی طرح کی تھی جس طرح کی تشویش مسلمانوں کو تحویل قبلہ کے بعد لاحق ہوئی تھی کہ سولہ سترہ مہینے تک ہم جو نمازیں بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے پڑھتے رہے اب ان نمازوں کا کیا ہوگا؟ روحِ دین کے اعتبار سے اس ضمن میں بڑی اہم بات واضح کی گئی کہ دین میں اصل چیز تو تقویٰ ہے۔ خدا کا خوف، مسئولیت کا احساس اللہ کے حضور میں حاضری اور اس کے سامنے پیش ہونے سے ڈرتے رہنا اور اس کے احکام کو توڑنے سے بچتے رہنا جس کو ہم فی جملہ تقویٰ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں دین کی اصل روح یہ ہے۔ اگر پہلے تکمیلی احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ اس وجہ سے مسلمانوں کی طرف سے بھی کوئی کمی ہوتی رہی تھی تو اس سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ فرمایا گیا۔ اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۫ (آیت ۹۳۔ المائدہ)

تقویٰ اگر ہے تو روحِ تقویٰ انسان کو ایمان کے راستے پر گامزن رکھتی ہے۔ ایمان میں انسان بڑھتا چلا جاتا ہے اعمال میں بھی تدریجاً ترقی کرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مقام احسان پر فائز ہو جاتا ہے تو یہ روح تقویٰ وہ ہے جو انسان کو آخری منزل تک پہنچا سکتی ہے۔ اور یہی مقام احسان ہے۔ کہ جو اللہ کی پسندیدگی کا احسان ہے اللہ کو محسنین بہت پسند ہیں۔ اہل کتاب سے خطاب کے ضمن میں سورۃ مائدہ کے آخر میں ایک بڑی عجیب بات بیان ہوئی ہے کہ قیامت میں جب امتوں کا محاسبہ ہوگا تو ان کے ساتھ ہی ان کے انبیاء و رسل سے بھی پرسش ہوگی یہ بات آگے چل کر سورۃ اعراف میں بھی بہت واضح انداز میں بیان ہوگی۔ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (آیت ۶۔ اعراف) ہم ان سے بھی پوچھیں گے کہ جن کی طرف ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا اور ہم پوچھیں گے خود رسولوں سے بھی۔ چنانچہ قیامت میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال فرمائیں گے۔ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ (آیت ۱۱۶ المائدہ) اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں کو بھی اللہ کے سوا معبود بنا لینا۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام انتہائی لجاجت سے جواب دیں گے کہ اے اللہ میرے لئے کیسے ممکن تھا کہ میں ایسی بات کہتا۔ جس کا مجھے حق نہیں ہے۔ اگر میں نے کہا ہوتا تو وہ تیرے علم میں ہوتی۔ اس سے اشارہ کیا گیا اس بات کی طرف کہ امتوں کی گمراہیوں کے سبب قیامت کے دن ان کے انبیاء و رسل کو شرمندگی کا سامنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرنا ہوگا۔ اس کے

بعد قرآن حکیم میں سورۂ انعام شروع ہوتی ہے۔ مصحف میں یہ پہلی طویل مکی سورۃ ہے۔ قرآن مجید میں سب سے پہلے سورۂ فاتحہ ہے۔ جو مکی ہے۔ اس کے بعد چار طویل ترین مدنی سورتیں ہیں۔ اور اس کے بعد دو سورتیں مکی ہیں۔ سورہ انعام اور سورۃ اعراف۔ اور یہ ہر اعتبار سے مکی سورتوں کے ایک انتہائی حسین و جمیل جوڑے کی صورت میں قرآن مجید میں وارد ہوئی ہیں۔ ان دونوں میں مضامین کی ترتیب بہت عجیب ہے دونوں میں اصل خطاب کا رخ مشرکین عرب سے بالعموم اور قریش مکہ سے بالخصوص ہے ان کی گمراہیوں پر ان کے شرک پر دینِ ابراہیمی میں جو بدعات انھوں نے جاری کر دی تھیں۔ ان پر سختی کے ساتھ گرفت کی گئی ہے۔ اور توحید کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ البتہ سورۂ انعام میں اس ساری گفتگو کا دار و مدار امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی کے الفاظ میں التذکیر بآلآء اللہ پر ہے۔ یعنی اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے توحید کا بیان اللہ کے احسانات آفاق و انفس اس کی توحید کی نشانیاں اس کی کمال صفات کے شواہد جو ہر طرح ہر طرف موجود ہیں ان کے حوالے سے اس میں شرک کی مذمت اور توحید کی دعوت ہے۔ اسی ضمن میں امام الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بڑی تفصیل کے ساتھ بیان ہوا۔ واضح رہنا چاہیئے کہ بالعموم جمیع اہل عرب بالخصوص قریش مکہ اس بات کے مدعی تھے کہ وہ دینِ ابراہیمی پر ہیں بلکہ وہ نسلاً بھی اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی سے وابستہ سمجھتے تھے۔ جہاں تک قریش مکہ کا تعلق تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر دونوں اعتبارات سے اہمیت کا حامل ہے۔ اس پہلو سے بھی کہ وہ علی الاطلاق پوری نوع انسانی کے توحید کے اعتبار سے بڑے اہم مقام و مرتبہ پر فائز ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے جو فرمایا ہے کہ ؎

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے!!
ہوس چھپ چھپ کے سینے میں بنا لیتی ہے تصویریں

تو واقعہ یہ ہے کہ پوری نسل انسانی کی تاریخ میں توحید کے اعتبار سے امام الناس ابوالانبیاء اور خلیل اللہ حضرت ابراہیم نبینا علیہ تحیۃ والسلام کا بڑا اعلیٰ مقام ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں الشے کی اس حجت کا ذکر ہے۔ جس کا حوالہ خود اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دیا وَتِلْكَ حُجَّتُنَا

اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ (آیت ۸۳، الانعام) یہ ہماری وہ حجت ہے جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم کے مقابلے میں عطا فرمائی۔ چونکہ ان کی قوم سورج کی پرستش کرتی تھی چاند کی پرستش کرتی تھی، ستاروں کی پرستش کرتی تھی۔ بت پرست بھی تھی۔ بڑے بڑے ہیکل انھوں نے تعمیر کئے تھے۔ اور کثیر تعداد میں بت اُن میں رکھے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خاص طور پر ان آیات میں جو کہ اس سورۂ مبارکہ میں وارد ہوئی ہیں ستارہ پرستی اور سورج پرستی کی مذمت کی ہے۔ اور بڑے ہی دلنشین پیرائے میں اس بات کو کھول دیا کہ نہ سورج میں کوئی الوہیت ہے اور نہ چاند میں، اور نہ ستاروں میں یہ سب ڈوب جانے والے ہیں ان میں سے کسی کو بھی نہ دوام ہے اور نہ بقا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں ان سے کیسے محبت کروں اور ان کو کیسے پوجوں۔ جو بالآخر ڈوب جانے والے ہیں "اور اس کے بعد آتا ہے وہ نعرۂ توحید جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر وارد ہوا۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ (آیت ۷۹، الانعام)۔ میں نے تو ہر طرف سے یکسو ہو کر اپنا رخ اسی ہستی کی طرف کر لیا ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اور میں ہرگز اس کے ساتھ شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

وَلَوْ اَنَّنَا

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝ (آیت ۱۱۱، انعام)

قرآن مجید کا آٹھواں پارہ "ولو اننا" کے الفاظ سے شروع ہوتا اور اسی نام سے موسوم ہے۔ یہ پارہ دو برابر برابر حصوں میں منقسم ہے۔ اس کے نصف اول میں سورہ الانعام کی بقیہ پچپن آیات وارد ہوئی ہیں، اور نصف ثانی میں سورۃ الاعراف کی ستاسی آیات ہیں۔ سورہ الانعام کا جو حصہ اس پارہ میں وارد ہوا ہے اس میں ابتداءً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ دلگیر نہ ہوں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تو اپنی شرافت طبع اور مروت کی بناء پر یہ احساس ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کا سبب کہیں میرے ابلاغ اور تبلیغ اور دعوت ونصیحت میں کسی اعتبار سے کوئی تقصیر تو نہیں؟ اور دوسرے جیسا کہ اس سورۃ مبارکہ کے آغاز میں بھی آیا کفار کی طرف سے جب مطالبہ کیا گیا کہ ہمیں معجزات دکھائے جائیں، تو ہم ایمان لے آئیں گے تو اس پر بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال بر بنائے طبع بشری پیدا ہوا کہ کیوں نہ انہیں ان کی پسند کے معجزات دکھا ہی دیئے جائیں اور ان کے مطالبات پورے کر دیئے جائیں کیا عجب کہ وہ ایمان لے آئیں اور اگر ایمان نہ لائیں تب بھی کم از کم ان پر حجت تو قائم ہو جائے اس پارے کے آغاز میں فرمایا کہ اس خیال میں کوئی حقیقت نہیں۔ انہیں اگر تمام معجزے بھی دکھا دیئے جائیں وہ تمام چیزیں جن کا یہ مطالبہ

کر رہے ہیں پوری کردی جائیں تب بھی یہ ماننے والے نہیں۔ اس کے بعد مشرکین عرب اور قریش مکہ کی ان بدعات کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا جو انہوں نے دین ابراہیمی میں اپنے جی سے گھڑ کر شامل کر لی تھیں چنانچہ کھانے پینے کی چیزوں میں ایک لمبا چوڑا ضابطہ انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر دین ابراہیمی کے نام سے نافذ کر دیا تھا۔ اس کی شدت کے ساتھ مذمت کی گئی ہے۔ اور آخر میں بڑی جامعیت کے ساتھ یہ بتایا گیا کہ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ (آیت ۱۵۱، الانعام) آؤ میں تمہیں بتاؤں تمہارے رب نے کن چیزوں کو حرام کیا ہے۔ دین ابراہیمی کے اصل اصول کونسے ہیں؟ شریعت آسمانی کے اصل اور بنیادی احکام کونسے ہیں؟ یعنی یہ کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو، والدین کے ساتھ حسن سلوک، چوری سے بچو، یتیموں کا مال ہڑپ کرنے سے باز آؤ، اسی طریقے سے فواحش سے بچو، اور بھی جو بنیادی اخلاقی تعلیمات ہیں ان سب کو بڑی جامعیت کے ساتھ اس مقام پر ان کو لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ کہ یہ ہے اصل دین۔ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا (آیت ۱۲۶، الانعام) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا "یہی میرا سیدھا راستہ ہے" یہی اصل ملت ابراہیمی ہے اور یہی وہ امور ہیں کہ جن کی طرف میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں آخر میں روح دین کے اعتبار سے بڑی جامع بات ہے کہ حضورؐ کو حکم ہوا کہ آپؐ یہ فرما دیجیے۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ج وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (آیت ۱۶۲، ۱۶۳، الانعام) میری نماز میری قربانی، میری زندگی اور میری موت یہ سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہیں انسان کی پسند اور ناپسند کا معیار واحد اللہ کی پسند ہے۔ یہ ہے اصل دین اور یہ ہے دین کی اصل حقیقت اور اس کی اصل روح۔ اس کے بعد سورہ الاعراف کا آغاز ہوتا ہے یہ سورہ مبارکہ قرآن مجید میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی استعمال کردہ اصطلاح "التذکیر بایام اللہ" کی بڑی حسین و جمیل ایک مثال ہے یعنی نسل انسانی کی تاریخ کے اہم واقعات سے استشہاد جس میں انبیاء و رسل کے حالات و واقعات تفصیل کے ساتھ وارد ہوئے ہیں اس سورہ مبارکہ کا اکثر و بیشتر حصہ تاریخ انسانی کے اہم واقعات پر مشتمل ہے پہلا رکوع بہت جامع ہے۔ اور اس میں وہ آیت بھی وارد ہوئی ہے۔ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (آیت ۶ الاعراف)

ہم باز پرس کریں گے اور محاسبہ کریں گے ان کا بھی جن کی طرف ہم نے رسولوں کو بھیجا اور ہم پوچھیں گے ان سے بھی جنہیں ہم نے رسول بنا کر بھیجا اس کے بعد کے دو رکوع میں قصہ آدم و ابلیس بیان ہوا ہے اور اس کے بعد دوسرے پہلو جو سورہ بقرہ کے چوتھے رکوع میں بیان ہوئے جہاں یہ قصہ قرآن مجید میں ابتداً آیا مگر اس کے بعض پہلو تشنہ رہ گئے تھے ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ نسل انسانی کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارا ازلی اور ابدی دشمن شیطان لعین وہی ہے کہ جس نے تمہارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام اور تمہاری اماں حوا علیہا السلام کو جنت سے نکلوایا تھا اور اب بھی وہ درپے ہے کہ تمہیں دوبارہ جنت میں داخل نہ ہونے دے اپنے اس دشمن کو پہچانو۔ ابتدائے آفرینش یا یوں کہئے کہ نسل انسانی کے آغاز کے ان واقعات کے بعد نسل انسانی کے اُخروی انجام کا ذکر ہوا چنانچہ تفصیل کے ساتھ بتایا گیا کہ نسل انسانی کس انجام سے دوچار ہونے والی ہے ان میں کچھ خوش قسمت لوگ وہ بھی پیدا ہوں گے کہ جو اللہ کی رحمت کے دامن میں جگہ پائیں گے اور جنت میں داخل ہوں گے۔ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيمٍ ۝ (آیت ۸۹ الواقعہ) ان کا مقسوم بنے گا اور کچھ بدقسمت لوگ وہ ہوں گے جو جہنم میں داخل کئے جائیں گے اور عذاب شدید میں مبتلا کئے جائیں گے۔ ساتھ ہی ذکر ہوا اصحاب اعراف کا۔ یہ گویا نسل انسانی کی تاریخ کے بالکل آخری دور کے واقعات ہیں، اس کے بعد شروع ہوتا ہے انبیاء اور رسل کی تعریف کا سلسلہ۔ حضرت نوح علیہ السلام حضرت ہود علیہ السلام جو قوم عاد کی طرف بھیجے گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام جو قوم ثمود کی طرف مبعوث ہوئے۔ حضرت لوط علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام ان کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا کہ یہ سب دور انسانی کو حق کی طرف دعوت دیتے ہوئے آئے۔ توحید کی طرف بلانے کیلئے آئے بداعمالیوں سے فواحش و منکرات سے روکنے کے لئے آئے۔ لیکن انسان اپنی بدبختی میں اپنی سرکشی میں اپنے تکبر میں کفر اور انکار اور انحراف پر اڑا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان تمام قوموں پر ہلاکت کا عذاب یعنی عذاب استیصال نازل ہوا۔ قوم نوح کو غرق کیا گیا، قوم عاد اور ثمود بھی اسی طرح تباہی سے دوچار ہوئی قوم لوط پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی اور ان کی بستیاں برباد کر دی گئیں۔ یہ تمام حالات و واقعات ایک ہی حقیقت کی طرف راہنمائی کر رہے ہیں کہ کامیابی اس دنیا میں بھی بالآخر ان ہی کے حصے میں آنے والی ہے جو خدائے واحد کے پرستار ہوں انبیاء و رسل کی دعوت کو قبول کریں

اور ان پر لبیک کہیں، نیکی اور صداقت، راستبازی اور راست روی کو اختیار کریں اور بربادی مقدر بنتی ہے اس دنیا میں بھی۔ ان کا جو دنیا میں اس کے برعکس روش اختیار کریں اور آخرت میں تو وہ دردناک انجام سے دوچار ہونے ہی والے ہیں۔

قَالَ الْمَلَأُ

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ ۝ (آیت ۸۸۔ الاعراف)

قرآن مجید کا نواں پارہ "قال الملا" کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے اس پارے میں اولاً سورہ اعراف کی بقیہ ایک سو انیس آیات وارد ہوئیں اور اس کے بعد سورہ انفال کی چالیس آیات۔ سورہ اعراف میں ابتدا میں وہی مضمون کہ جو سابقہ پارے میں جاری تھا یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر اور اس کے بعد بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر شروع ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات و واقعات، فرعون کے ساتھ ان کی کشمکش، مصر میں جن شدائد و مسائل سے وہ اور بنی اسرائیل دوچار تھے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فرعون کے انتہائی شدید عذاب اور اس کی طرف سے شدید مصیبت سے نجات ہوئی۔ ان حالات و واقعات کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا۔ ساتھ ہی یہ واقعہ بھی بیان ہوا کہ فرعون کے عذاب سے نجات پانے کے فوراً بعد یہ بدبخت قوم وہ ہے کہ جو شرک میں مبتلا ہو گئی۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر طلب فرمایا تاکہ انہیں تورات عطا کی جائے۔ ان کے پیچھے بنی اسرائیل بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہو گئے گویا کہ انجیل ہی کے الفاظ کے مطابق یہ وہ قوم تھی جس نے پہلی ہی شب میں بیوفائی کی اس پر جب حضرت موسیٰ

علیہ السلام واپس آئے تو انہوں نے انتہائی ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید سزا بھی اس قوم کو ملی۔ اور بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے ستر سرکردہ افراد کو لے کر اجتماعی توبہ کے لئے حاضر ہوئے اس موقع پر جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے استغفار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا کہ جہاں تک میری رحمت کا تعلق ہے وہ اگرچہ عام ہے لیکن تمام اہل ایمان کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جن سے اگر گناہ سرزد ہو جائے تو وہ توبہ کریں، رجوع کریں، ان کے لئے بھی میری رحمت ہے۔ لیکن میری رحمت کا خاص حصہ ان کو ملنے والا ہے جو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے۔ اس ضمن میں چند الفاظ بڑے جامع آئے ہیں۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (آیت ۱۵۷ الاعراف)

وہ لوگ جو ہمارے اس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے۔ ان کا احترام کریں گے۔ ان کا ادب کریں گے ان کی نصرت کریں گے۔ ان کے مسلک کی پیروی کریں گے، فرائض رسالت کی ادائیگی میں ان کے دست و بازو بنیں گے۔ ان کے مشن کی تکمیل میں مددگار بنیں گے اور اس نور کا اتباع کریں گے جو ہم اس کے ساتھ نازل کریں گے یعنی قرآن مجید، یہ لوگ ہوں گے جو حقیقی فلاح سے دوچار ہوں گے۔ ان الفاظ میں ہم مسلمانوں کے لئے بھی بڑی راہنمائی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ حقوق ہیں جو ہم میں سے ہر شخص پر عائد ہوتے ہیں آپ پر ایمان، آپ کی تصدیق، آپ کا ادب، آپ کے مشن کی تکمیل کے لئے جان و مال کا کھپانا، وہ دین جو آپ لے کر آئے تھے جس کے بارے میں مولانا حالی نے بڑے دردانگیز پیرائے میں کہا کہ

وہ دین جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

اس دین کو دنیا میں غالب کرنا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت ہے اس کے لئے جان و مال کھپانا اور اس قرآن مجید کا اتباع کرنا۔ اللہ کی اس مضبوط رسی کو پوری مضبوطی کے ساتھ تھام لینا۔ یہ ہیں امت مسلمہ میں سے ہر فرد بشر کے فرائض جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ضمن میں اس پر عائد ہوتے ہیں سورہ اعراف اکثر و بیشتر تاریخ انسانی کے اہم واقعات پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اس میں ارواح انسانیہ

سے جو عہد ازل میں لیا گیا تھا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى (آیت ۱۷۲ الاعراف) جب کہ ارواح انسانی جنود مجنّدہ کی شکل میں اپنے پروردگار کے سامنے حاضر تھیں۔ ساتھ ہی تاریخ بنی اسرائیل کی ایک بڑی اہم شخصیت بلعم بن بعورہ کا ذکر ہوا ہے جسے اللہ نے بہت سا علم عطا کیا تھا۔ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا (آیت ۱۷۵، الاعراف) ہم نے اسے اپنی آیات عطا فرمائیں۔ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا" اور ہم چاہتے تو اسے اور بلندی عطا فرماتے اور رفعت وشان فرماتے وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ لیکن وہ بدقسمت زمینی خواہشات سفلی شہوات ہی کی طرف ملتفت ہو کر رہ گیا اس کے بعد انفال کا آغاز ہوتا ہے یہ سورہ مبارکہ مدنی ہے۔ اور پوری کی پوری سن دو ہجری میں غزوہ بدر کے فوراً بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس سورہ مبارکہ میں ہمارے دین کی دو بنیادی حقیقتوں کو بڑے شرح وبست کے ساتھ بیان کیا گیا۔ یعنی ایک ایمان دوسرے جہاد چنانچہ آغاز ہی میں مومنین، صادقین کے اوصاف کا ذکر ہوا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (آیت ۲، الانفال) مومن تو بس وہ ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جائے تو ان کے دل لرز اٹھیں وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (آیت ۳، الانفال) اور جب انہیں ہماری آیات پڑھ کر سنائی جائیں تو ان کے ایمان اور یقین میں اضافہ ہوا اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہوں اور وہ نماز قائم رکھتے ہوں درجو کچھ ہم نے دیا ہے۔ اس میں سے ہمارے لئے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہوں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (آیت ۴، الانفال) جن لوگوں میں یہ اوصاف ہیں وہ ہی حقیقت میں مومن۔ اس کے فوراً بعد غزوۂ بدر کا ذکر شروع ہو گیا ہے یہ انتہائی عظیم اور اہم معرکہ جس سے کہ کفر کو کھلی شکست ہوئی اور اسلام کو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم فتح عطا فرمائی۔ اس کا تفصیلاً ذکر ہوا۔ جن حالات میں یہ جنگ واقع ہوئی کہ مسلمانوں اور کفار کے مابین بالکل کوئی نسبت نہیں تھی۔ یہ تین سو تیرہ اور بے سرو سامان اور وہ ایک ہزار اور کیل کانٹے سے لیس۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فتح مبین عطا فرمائی۔ کفار کے ستر سردار سرزمین بدر پر کھجور کے کٹے ہوئے تنوں کی مانند پڑے ہوئے تھے۔ فرمایا گیا مسلمانوں اس مغالطے میں نہ رہنا کہ یہ فتح تم نے اپنے زور بازو سے حاصل کی ہے۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ (آیت ۱۷، الانفال)

تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے قتل کیا۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۔ ج۔ (آیت ایضاً)
اے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے جو کنکریوں کی مٹھی بھر کر کفار کی طرف پھینکی تھی وہ آپ نے نہیں
ہم نے پھینکی تھی گویا کہ یہ فتح و نصرت تائید خداوندی سے ہی حاصل ہوئی تھی اور اس کے لئے تم آئندہ بھی
اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امیدوار رہ سکتے ہو۔

وَاعْلَمُوْآ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ
وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ
اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ
الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (آیت ۴۱۔ الانفال)

قرآن حکیم کا دسواں پارہ " واعلموا " کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس میں اولاً سورہ الانفال کی بقیہ پینتیس ۳۵ آیات شامل ہیں اور اس کے بعد سورہ التوبہ کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کی ترانوے ۹۳ آیات اس پارے میں شامل ہیں۔ سورہ الانفال میں قتال فی سبیل اللہ کا جو مضمون پچھلے پارے سے چلا آرہا تھا جس کا ہدف مقرر کیا گیا تھا ان الفاظ مبارکہ سے وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ (آیت ۳۹، الانفال) کفار سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ فرو ہو جائے اور دین کل کا کل صرف اللہ کے لئے ہو جائے۔ یعنی انسانی زندگی اپنی تمام تفصیلات سمیت اللہ کی اطاعت کے تحت آجائے اس پارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ آپ اہل ایمان کو قتال کی تحریص دلائیں انہیں ترغیب دیں۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ؕ ——— (آیت ۶۵، الانفال)

اے نبی ؐ اہل ایمان کو قتال پر راغب فرمائیے انہیں فی سبیل اللہ پر ابھاریئے۔ اس سورہ کے اختتام پر ایمان حقیقی کی تعریف کا دوسرا جزو آیا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۔۔۔۔۔ (آیت ۷۴، الانفال)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں اور جہاد کیا اور وہ لوگ کہ جنہوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد کی یہ ہیں اصل مومن، حقیقی مومن گویا کہ ایک حقیقی مومن کی جامع اور مانع تعریف اس سورہ مبارکہ میں دو حصوں میں ہو کر آئی پہلے حصے میں ایمان کے داخلی ثمرات ایمان کی قلبی کیفیات عبادات کے ساتھ صرف اللہ پر توکل اور دوسرے حصے میں جہاد فی سبیل اللہ ہجرت اور قتال فی سبیل اللہ ان دونوں کو جمع کیا جائے تو ایک بندہ مومن کی شخصیت کی پوری تصویر مکمل ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد سورہ توبہ کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سورہ مبارکہ کا نام سورہ "برآۃ" بھی ہے اس لئے کہ اس کا آغاز ہی اس لفظ سے ہوتا ہے اس کی ابتداہی میں وہ آیات وارد ہوئی ہیں کہ جن کے ذریعے مشرکین عرب سے اعلان برآۃ کر دیا گیا یہ درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کا تکمیلی مرحلہ ہے اندرون ملک عرب کی حد تک۔

اسی سورہ مبارکہ میں وہ عظیم آیت وارد ہوئی ہے کہ "ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ" (آیت ۳۳، التوبہ) وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "بالہدیٰ" یعنی قرآن مجید اور دین حق دے کر تا کہ غالب کرے اس کو پورے پورے طور پر۔ یہ ہے بعثت محمدیؐ کی اصل غرض و غایت۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس مشن کو جزیرہ نمائے عرب کی حد تک بہ نفس نفیس مکمل فرمایا۔ چنانچہ آپ کی تیئس سالہ محنت و مشقت اور جدوجہد کا جو تکمیلی مرحلہ ہے اندرون ملک عرب کی حد تک اس کا ذکر بھی ہے، اس سورہ مبارکہ میں۔ چنانچہ غزوہ حنین کا ذکر بھی ہے کہ جو فتح مکہ کے بعد مشرکین عرب کی طرف سے آخری مدافعت تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اور جس کے بعد پورے جزیرہ نمائے عرب میں کوئی طاقت ایسی باقی نہ رہی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں مزاحم ہو سکتی ہو۔ چنانچہ اگلے ہی سال ۹ ہجری میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قافلہ حج کو روانہ فرما چکے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت میں، اس سورہ مبارکہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا جنہوں نے آپؐ کے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے اجتماع حج میں ان آیات کو پڑھ کر سنایا، اعلان کر دیا کہ عشرۂ حرم کے خاتمے کے بعد جزیرہ نمائے عرب کے مشرکین کا قتل عام شروع ہو جائے گا

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ج (آیت ۵ سورۃ التوبہ)

جب یہ محترم مہینہ ختم ہوجائے تو مشرکین کو ختم کرو جہاں کہیں پاؤ، یہ درحقیقت اس سنت اللہ کی تکمیل تھی کہ رسولوں کے انکار کے بعد جن قوموں کی طرف رسولوں کو بھیجا جاتا ہے ان کے ساتھ رعایت نہیں کی جاتی۔ عذاب استیصال نازل ہوتا ہے کبھی وہ آسمان سے نازل ہوتا ہے کبھی وہ ان کے قدموں کے تلے زمین سے پھٹ کر نکلتا ہے کبھی وہ اہل ایمان کی تلواروں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ساتھ ہی اس سورۂ مبارکہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت یا بالفاظ دیگر انقلاب محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا جو بین الاقوامی دور ہے اس کے آغاز کا ذکر ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے فوراً بعد اطراف و جوانب عرب میں جو ملوک وسلاطین تھے سب کو دعوتی خطوط بھیجے تھے۔ ان دعوتی خطوط میں سے ایک خط جو حضرت حارث ابن عمیر لے گئے تھے شرحبیل بن عمرو رئیس شام کے نام، حضرت حارث بن عمیر کو اس رئیس شام نے قتل کر دیا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کے لئے ایک فوج بھیجی۔ یہ تین ہزار کا لشکر تھا جس کا مقابلہ شرحبیل بن عمرو کی ایک لاکھ فوج سے ہوا یہ جنگ موتہ کہلاتی ہے جو جمادی الاول ۸ھ میں واقع ہوئی۔ اگرچہ اس میں کوئی مقابلہ نہ تھا تین ہزار کا ایک لاکھ کے ساتھ لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی ہی حکمت کے ساتھ مسلمان فوج کو کفار کے نرغے سے نکال لائے لیکن اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کا سفر اختیار فرمایا تین ہزار جانثاروں کے ساتھ آپ شام کی سرحد تک پہنچے اور بیس دن تک آپ نے وہاں قیام فرمایا۔ ہرقل اگرچہ قریب ہی موجود تھا اور اس کے پاس لاکھ کی فوج موجود تھی لیکن وہ مقابلے پر نہ آسکا۔ اور پورے علاقے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رعب و دبدبہ قائم ہوگیا۔ الغرض اس سفر تبوک جس کی تفصیلات سورہ التوبہ میں وارد ہوئی ہیں، کے ذریعہ دعوت و انقلاب اسلامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بین الاقوامی دور کا آغاز ہوگیا۔

يَعۡتَذِرُوۡنَ

يَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَيۡكُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ ؕ قُلۡ لَّا تَعۡتَذِرُوۡا
لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَـكُمۡ قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ اَخۡبَارِكُمۡ‌ ؕ وَسَيَرَى
اللّٰهُ عَمَلَـكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَ
الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝ (آیت ۹۴ ۔ التوبہ)

قرآن مجید کا گیارہواں پارہ "یعتذرون" کے نام سے موسوم ہے اس میں اولاً سورہ توبہ کی بقیہ چھتیس آیات شامل ہیں پھر پوری سورہ یونس اور آخر میں سورہ ہود کی صرف پانچ آیات ہیں۔ سورہ توبہ کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ رجب ۹ ھ میں غزوہ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی بعض آیات آغاز سفر سے قبل نازل ہوئیں، کچھ دوران سفر نازل ہوئیں اور کچھ واپسی پر۔ یہ غزوہ انتہائی نامساعد حالات میں پیش آیا ایک تو وقت کی عظیم ترین عسکری قوت یعنی سلطنت رومہ سے ٹکراؤ تھا پھر انتہائی سخت گرمی کا موسم تھا قحط کا عالم تھا مسلمانوں کی بے سروسامانی کی کیفیت تھی۔ لہٰذا یہ صورت حال مسلمانوں کے ایمان کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش بن گئی اور منافقین کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا یہی وجہ ہے کہ اس سورہ مبارکہ میں منافقین کے بارے میں سخت ترین بات وارد ہوئی ہے حضورؐ سے فرمایا گیا۔ اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ (آیت ۸۰، التوبہ)
اے نبیؐ! آپ ان کے لئے خواہ استغفار فرمائیں خواہ نہ فرمائیں اگر آپ ان کے لئے ستر دفعہ استغفار

کریں گے تب بھی اللہ ان کو معاف نہیں فرمائے گا۔"

اس سورہ مبارکہ کا جو حصہ اس پارہ میں شامل ہے اس میں منافقین کے بالکل برعکس اہل ایمان کے طرز عمل کی تعبیر ان مبارک الفاظ میں کی گئی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ تفو آیت ۱۱۱، التوبہ)

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں یعنی اہل ایمان اللہ کے لئے اس کے دین کی سربلندی کے لئے نہ اپنی جان سے دریغ کرتے ہیں نہ اپنے مال سے اس لئے کہ وہ تو پہلے ہی اللہ کے ہاتھ اپنی جانیں اور مال فروخت کر چکے ہیں۔ اب ان کے پاس یہ جان اور مال اللہ کی امانت ہے کہ جب بھی اللہ چاہے اور اس کے دین کا تقاضا ہو اسے حاضر کر دیں اور اللہ کی جناب میں سرخرو ہو جائیں اور سبکدوش ہو جائیں۔ اس سورہ مبارکہ کے اختتام پر ایک بڑی عظیم آیت وارد ہوئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بعثت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی شکل میں امت مسلمہ پر جو احسان عظیم فرمایا ہے اس کا ذکر ہوا لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (آیۃ ۱۲۸، التوبہ) اے مسلمانو! تمہارے پاس آگئے ہیں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تم ہی میں سے ہیں جن پر بہت شاق گذرتی ہے ہر وہ چیز جو تمہارے لئے باعث تکلیف ہو اور جو تمہارے لئے ہر خیر اور بھلائی کے انتہائی خواہاں ہیں اور تمہارے حق میں رؤف الرحیم ہیں سورہ توبہ کے بعد گیارھویں پارے میں سورہ یونس اور اس کے بعد سورہ ہود وارد ہوئی ہیں یہ دو مکی سورتیں بھی ایک انتہائی حسین وجمیل جوڑے کی صورت میں ہیں اور ان کے مابین بھی وہی نسبت ہے جو پہلے سورہ انعام اور سورہ الاعراف میں تھی۔

سورہ یونس میں زیادہ تر آفاق والنفس کی شہادتوں سے توحید کی دعوت دی گئی معاد کا اثبات کیا گیا ہے اور نبی اکرمؐ کی ایمان کی دعوت دی گئی، جبکہ سورہ ہود میں زیادہ زور انبیا و رسل کے حالات و واقعات اور جن امتوں اور قوموں کی طرف رسول بھیجے گئے ان کے انحراف وانکار کی پاداش میں ان پر جو عذاب ہلاکت نازل ہوا۔ اس کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ سورہ ہود کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

شَیَّبَتۡنِیۡ ھُوۡدٌ وَّ اَخَوَاتُهَا ‘‘ یعنی مجھے سورہ ہود اور اس کی ہم مضمون سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے اس لئے کہ ان سورتوں میں بالکل انداز ایسا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل عرب کو آخری وارننگ دی جا رہی ہو اور اب بھی اگر وہ ایمان نہ لائے تو عذاب الٰہی کا بند بالکل ٹوٹنے والا ہے اس صورت حال کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخت صدمہ سے دوچار تھے۔ ان دونوں سورتوں میں قرآن مجید کی اہمیت پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ دونوں کا آغاز ہوا اس بات کی وضاحت سے کہ یہ قرآن مجید کمال حکمت کی حامل کتاب ہے سورہ یونس میں فرمایا۔ الٓرٰ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ ۝ (آیت نمبر۱ سورہ یونس) یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ سورہ ہود کا آغاز ہوا۔ الٓرٰ كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِيۡمٍ خَبِيۡرٍۙ (آیت ۱، ہود)

یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات پہلے محکم کی گئیں ان کی تفسیر کی گئی اس ہستی کی طرف سے جو حکیم بھی ہے اور خبیر بھی ہے۔ اس کے بعد ان دونوں سورتوں میں قرآن حکیم کے بارے میں کفار کو چیلنج دیا گیا کہ اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ یہ کتاب ہمارے رسولؐ نے خود اپنی طرف سے گھڑ کر تصنیف کر لی ہے تم بھی ایسی کچھ سورتیں تصنیف کر کے لے آؤ چنانچہ سورہ ہود میں فرمایا۔ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَيٰتٍ (آیت ۱۳، ہود) ۰ کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تصنیف فرما لیا ہے تو ان سے کہئے کہ قرآن جیسی دس سورتیں تم بھی تصنیف کر کے لے آؤ۔ یہ چیلنج سورہ یونس میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا جہاں دس سورتوں کی بجائے یہ فرمایا گیا کہ ایک ہی سورت اس جیسی بنا کر لے آؤ۔ ساتھ ہی یہ بات بھی واضح کی گئی کہ مشرکین اور کفار کو اصل عداوت و دشمنی قرآن مجید سے ہے جیسے کہ اس سے پہلے سورہ انعام میں بھی یہ الفاظ وارد ہو چکے ہیں۔ کہ اے نبیؐ آپ غمگین نہ ہوں، کفار آپ کو جھوٹا نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ یہ تو اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا گیا کہ ان کا مطالبہ یہ ہے " ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَيۡرِ هٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡهُ ؕ (آیت ۱۵، یونس) اے محمدؐ اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لے کر آؤ یا اس میں کچھ ترمیم کر دو۔ ارشاد ہوا جواب میں فرمایئے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قُلۡ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِىۡ ۚ

آیت ۱۵، ایضاً) میرے لئے بالکل ممکن نہیں ہے کہ میں اپنے جی سے اس میں ترمیم کرسکوں ۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓى اِلَیَّ ج ــــ آیت ۱۵، ایضاً) میں تو خود پابند ہوں اس کا جو میری طرف وحی کیا جارہا ہے۔ چنانچہ اس حکم پر سورہ یونس کا اختتام بھی ہوتا ہے " واتبع ما یوحیٰ الیک " اے نبیؐ اتباع کیجئے پیروی کیجئے مضبوطی سے تھامے رکھئے اس کو جو آپ کی طرف وحی کیا جارہا ہے " وَاصْبِرْ حَتّٰى یَحْكُمَ اللّٰهُ ج اور صبر کیجئے، انتظار فرمایئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم سنادے۔ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ۞ (آیت ۱۰۹، سورہ یونس) اور وہ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے سب سے بڑھ کر عدل اور انصاف سے کام لینے والا ہے۔

سورہ یونس میں ایک اور اہم مضمون وارد ہوا وہ ایمان حقیقی کے ثمرات کے متعلق ہے۔ وہ مومن حقیقی جو اللہ کے ولی، اللہ کے دوست، اللہ کے ساتھی بن جاتے ہیں ان کی کیفیت یہ ہے کہ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۞ (آیت ۶۲، سورہ یونس) آگاہ ہو جاؤ اللہ کے دوستوں کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ حزن۔ یعنی وہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۞ (آیت ۶۳، یونس)

معلوم ہوا کہ ولایت الٰہی درحقیقت ایمان حقیقی اور تقویٰ کا ہی نام ہے اور اس کا حاصل یہ ہے۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۞ (آیت ۶۴، یونس) ان کے لئے بشارتیں ہی بشارتیں ہیں، خوشخبریاں ہی خوشخبریاں ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی۔

یہی وہ مضمون ہے جو قرآن مجید میں ایک اور مقام پر آیا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۞ (آیت ۳۰ حم سجدہ)

یہ ایمان حقیقی کے ثمرات ہیں کہ انسان اس دنیا میں بھی خوف اور غم سے نجات حاصل کرلیتا ہے اور آخرت میں بھی اسے ان دونوں چیزوں سے نجات مل جاتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا علامہ اقبالؒ نے

بِرُوں کشید ز پیچاکِ ہست و بود مرا
چہ عقدہ ہا کہ مقامِ رضا کشود مرا (زبورِ عجم)

اگر کوئی بندہ اپنے رب کی مرضی پر راضی ہو جائے تو اس کے لئے اس دنیا میں نہ کوئی خوف ہے نہ غم۔

۱۲
وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ (آیت ۶، ھود)

قرآن حکیم کا بارہواں پارہ "وما من دابہ" کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس کے نصف سے زائد پر سورہ ہود پھیلی ہوئی ہے اور بقیہ حصے میں سورہ یوسف کا تقریباً نصف حصہ آگیا ہے سورہ ھود کے مضامین سورہ اعراف کے مضامین سے بہت مشابہ ہیں۔ اس کے اکثر حصے میں اولوالعزم من الرسل یعنی چھ اولوالعزم رسولوں کا ذکر ہے جن کی قوموں نے ان کی دعوت سے انکار کیا تو اللہ تعالٰے نے انکو ہلاک کر دیا۔ یعنی قوم ثمود قوم عاد جن کی طرف حضرت ھود علیہ السلام بھیجے گئے تھے۔ قوم ثمود جن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ قوم لوط جن کی طرف حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ اصحاب مدین جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے۔ اور آل فرعون جن کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام بھیجے گئے ان قوموں کے حالات کا ذکر قرآن مجید میں جو بار بار آیا ہے تو وہ درحقیقت اہل عرب کو بالعموم اور قریش مکہ کو بالخصوص تنبیہ کے لئے آیا ہے کہ اگر تم نے بھی وہی روش اختیار کی ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے، تو تمہارا حشر اور انجام بھی وہی ہوگا جو سابقہ امتوں اور قوموں کا ہو چکا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے حالات قرآن مجید میں سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اسی سورہ مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں اور ان کے احوال کے ضمن میں وہ

دردناک نقشہ بھی پیش کردیا گیا ہے کہ جب عذاب الٰہی نازل ہوگیا اور طوفان آگیا اور حضرت نوح علیہ السلام اور اہل ایمان کشتی میں سوار ہوگئے تو حضرت نوحؑ نے اپنے ایک بیٹے کو دیکھا کہ وہ بھی اسی سیلاب میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے حضرت نوحؑ نے پکارا وَنَادٰی نُوْحُ نِ ابْنَہٗ وَکَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا وَلَا تَکُنْ مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ ○

(آیت ۴۲، ہود) حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کو آواز دی کہ میرے بیٹے آؤ اور اس کشتی میں سوار ہوجاؤ اور کافروں کا ساتھ نہ دو۔ اس بدبخت نے جواب دیا: سَاٰوِیْٓ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ط

(آیت ۴۳، ہود) اس کی نگاہ اسباب و وسائل پر تھی اس نے جواب دیا کہ میں عنقریب پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ جو مجھے پانی کے اس سیلاب سے بچالے گا۔ حضرت نوحؑ نے انتہائی دردناک پیرائے میں فرمایا

لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ○ (آیت ایضاً)

آج کے دن اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم کھائے۔ وَحَالَ بَیْنَھُمَا الْمَوْجُ فَکَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ○

(آیت ۴۳، ایضاً) اسی اثنا میں ایک بڑی موج باپ اور بیٹے کے مابین حائل ہوگئی اور بیٹا غرق ہوگیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں رشتہ داریوں کا معاملہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ایک جلیل القدر پیغمبرؑ کا بیٹا بھی اگر کفار کے ساتھ تھا، تو انہی کے انجام کے ساتھ دوچار ہوا، اور پیغمبر کی نگاہوں کے سامنے وہ بھی غرق ہونے والوں کے ساتھ غرق ہوگیا۔ یہی بات ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اپنے انتہائی قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کو جمع کرکے فرمائی" یا فاطمہ بنت محمد انقذی نفسک من النار فانی لا املک لک من النار شیئاً۔

(حدیث) اے فاطمہؓ محمد کی بیٹی رضی اللہ عنہا خود اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی فکر کرو، اس لئے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے بارے میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ سورۂ ھود کے بعد قرآن مجید میں سورہ یوسف آتی ہے یہ سورہ مبارکہ پورے قرآن مجید میں اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس پوری سورۃ میں ایک ہی نبی کے حالات تفصیل سے بیان ہوتے ہیں یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے احوال حضرت یوسف

علیہ السلام حضرت ابراہیم کے پڑپوتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو حجاز میں آباد کیا بیت اللہ کے قریب۔ اور چھوٹے بیٹے حضرت اسحاقؑ کو فلسطین میں آباد کیا ان کے بیٹے حضرت یعقوبؑ ہیں جن کا لقب اسرائیل ہے اور انہی سے بنی اسرائیل ایک عظیم قوم اور ایک بڑی امت دنیا میں چلی۔ حضرت یعقوبؑ علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ دس بڑی بیوی سے اور دو چھوٹی بیوی سے۔ یہ دو حضرت یوسفؑ اور ان کے حقیقی بھائی بنیامینؑ تھے۔ حضرت یعقوبؑ کو ان دونوں سے بہت پیار تھا۔ بڑے بیٹوں میں اس سے حسد اور رقابت کا مادہ پیدا ہوا۔ انہوں نے حضرت یوسفؑ کا کانٹا اپنے راستے سے نکالنے کے لئے باہمی مشاورت سے حضرت یوسفؑ کو ایک اندھے کنویں میں پھینک دیا لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے ان کی اس عداوت و دشمنی کو حضرت یوسف علیہ السلام کے دنیاوی عروج کا زینہ بنا دیا۔ چنانچہ قافلے نے جو اس راستے سے گذر رہا تھا جب ان کے پانی بھرنے والے شخص نے اپنا ڈول اس کنویں میں پھینکا تو حضرت یوسفؑ اس کی رسی پکڑ کر باہر آگئے۔ قافلے والوں نے انہیں غلام بنا لیا اور بڑی جلدی سے کہ مبادا کوئی ان کا طلب گار یا دعوے دار آجائے فوراً مصر پہنچ گئے اور انہیں اونے پونے داموں فروخت کرنے کی کوشش کی اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھئے کہ حضرت یوسفؑ کے خریداروں میں اس وقت کا ایک بہت بڑا عہدیدار عزیز مصر تھا۔ اس نے حضرت یوسفؑ کو خریدا اور اپنی بیوی کو خصوصی ہدایت کی کہ اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرو۔

اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ

(آیت ۲۱، یوسفؑ) ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے لئے مفید ثابت ہو اور کیا عجب کہ ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے پر عمل درآمد کے لئے مختار مطلق ہے وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

(آیت ۲۱، ایضاً) اکثر لوگوں کو اس کا فہم نہیں ہے کہ لوگ کسی کا برا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کا برا چاہنے ہی سے اس کے حق میں کسی خیر کا فیصلہ صادر فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خصوصی تلقین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے میرے برادر اس حقیقت کو ذہن نشین کرلے کہ اگر سب لوگ مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو نہ پہنچا سکیں گے

مگر بس اتنا کہ جتنا اللہ نے لکھ دیا ہو اور تمام انسان مل کر تمہیں فائدہ پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکیں گے مگر صرف اتنا کہ جتنا اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہو۔ عجیب بات یہ ہے کہ عزیز مصر نے اپنی بیوی کو تلقین کچھ اور کی تھی لیکن اس کی نیت کسی اور طرف بھٹک گئی اس نے حضرت یوسفؑ کو گناہ کی دعوت دی حضرت یوسفؑ پر اللہ کا فضل ہوا کہ انہوں نے اس گناہ کی دعوت کو ٹھکرا دیا لیکن وہ بدبخت اس سے تلملا کر رہ گئی اور اس نے حضرت یوسفؑ سے عداوت اور دشمنی کا سلسلہ شروع کر دیا جس کے نتیجے میں بالآخر حضرت یوسفؑ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ لیکن انبیاء و رسل اور اللہ کی طرف بلانے والوں کی یہ عجیب سنت ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے مشن کیلئے راستہ نکال لیتے ہیں چنانچہ حضرت یوسفؑ نے جیل میں بھی دعوت توحید کا آغاز کر دیا۔ اپنے جیل کے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (آیت ۳۹ سورۂ یوسف) اے میرے جیل کے ساتھیوں کیا یہ بہت سے معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر چھایا ہوا ہے سب پر حاوی ہے۔ اس کے بعد توحید کا وہ نعرہ مستانہ ان کی زبان پر آتا ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (آیت ۴۰، یوسف) حکم کا اختیار سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں حاکمیت صرف اسی کے لئے ہے جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ ؎

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آذری!

ارشاد فرماتے ہیں اپنے جیل کے ساتھیوں سے حکم صرف اللہ کے لئے ہے۔ اس نے صرف یہ حکم دیا ہے کہ اسکی سوا کسی کی بندگی نہ کرو، اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ یہی ہے دین قیم، یہی ہے سیدھا دین، یہی ہے دین حق۔ جو ہمیشہ ہمیش کے لئے قائم رہنے والا ہے۔ اللہ ہمیں بھی دین حق پر کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

۱۳

وَمَآ اُبَرِّئُ

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ
الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ۝ (آیت ۵۳، ۵۴ - یوسف)

قرآن مجید کا تیرا ہواں پارہ "وَمَآ اُبَرِّئُ" - کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس میں اولاً سورہ یوسف کا بقیہ نصف شامل ہے اور اس کے بعد دو نسبتاً چھوٹی سورتیں یعنی سورہ رعد اور سورہ ابراہیم پوری پوری شامل ہیں اور آخر میں ایک آیت سورہ حجر کی شامل ہے۔ سورہ یوسف کا جو حصہ اس پارے میں آیا ہے اس کا آغاز ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اس ظہور سے کہ جس کے نتیجے میں حضرت یوسف علیہ السلام مصر کی جیل سے نکل کر حکومت مصر میں ایک انتہائی بااثر عہدے پر فائز ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مصر میں تمکن اور غلبہ عطا فرمایا اور اس کے ساتھ ہی بادشاہ کا وہ خواب جس کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بتائی تھی کہ سات سال تو بڑی خوشحالی کے آئیں گے اور اس کے بعد سات سال ایک بڑا شدید قحط پڑنے والا ہے تو جب اس قحط کا زمانہ آیا اور یہ

قحط صرف مصر میں نہیں تھا بلکہ اسکے اطراف و جوانب میں بھی تھا۔ چنانچہ اس کے اثرات سرزمین فلسطین تک بھی پہنچے جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بقیہ گیارہ بیٹے سکونت پذیر تھے۔ قحط کے ہاتھوں مجبور ہو کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے دس بیٹے یعنی حضرت یوسفؑ کے سوتیلے بھائی مصر میں آ گئے تاکہ غلہ حاصل کر سکیں حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو پہچان لیا لیکن ان کے وہم و گمان بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ عزیز مصر کی صورت میں ہمارا وہی بھائی تخت پر بیٹھا ہے جسے ہم نے اپنے ہاتھوں ایک اندھے کنویں میں پھینک دیا تھا اس کے بعد جب وہ دوبارہ غلہ لینے کے لئے آئے اور اس وقت ان کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہو چکی تھی حضرت یوسف علیہ السلام نے اصرار کر کے اپنے چھوٹے بھائی بنیامینؑ کو بھی بلا لیا پھر وہ وقت بھی آیا جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے پاس غلہ کی قیمت ادا کرنے کے لئے کچھ نہ تھا اور انہوں نے انتہائی عاجزی کے ساتھ خیرات کی استدعا کی اس پر حضرت یوسف علیہ السلام سے مزید ضبط نہ ہو سکا اور انہوں نے اپنے آپ کو اپنے بھائیوں پر ظاہر کر دیا یہ وہ وقت ہے جب کوئی دنیا دار انسان یا جس کے ظرف میں کسی اعتبار سے بھی کمی ہو وہ اپنے بھائیوں کو یاد دلاتا ہے کہ تم نے مجھ پر کیا مظالم ڈھائے تھے۔ لیکن اللہ کے نبیوں اور رسولوں کا معاملہ بالکل جدا ہے جب حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کچھ معذرت پیش کرنے کی کوشش کی تو حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللهُ لَكُمْ (آیت ۹۲ - یوسف)

آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے۔ یاد رہنا چاہیئے یہی وہ الفاظ تھے۔ جو تقریباً دو ڈھائی ہزار سال بعد مکے کی سرزمین میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان مبارک سے اس وقت نکلے جب آپ فاتح کی حیثیت سے مکے میں داخل ہوتے تھے وہ لوگ آپ کے سامنے مفتوحین کی طرح کھڑے تھے جنہوں نے آپ کو مکے سے نکلنے پر مجبور کیا تھا اور اس کے بعد بھی مسلسل آٹھ برس تک مدینے میں چین سے بیٹھنے نہ دیا تھا آنحضورؐ نے اس وقت فرمایا کہ میں بھی آج تم سے وہی بات کہوں گا جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہی تھی: لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء۔

آج میں تمہیں ملامت کا کوئی لفظ بھی نہیں کہنا چاہتا جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے بعد اپنے بھائیوں سے کہہ کر اپنے والدین کو بھی مصر بلا لیا ان کے والدین

اور سارے گیارہ بھائی تعظیماً ان کے سامنے جب سجدے میں گر گئے تو گویا کہ حضرت یوسفؑ کا وہ خواب جو کہ انہوں نے بچپن میں دیکھا تھا وہ واقعہ بن کر سامنے آگیا۔ اس سورہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے کہ ظاہری حالات سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ انتہائی مایوس کن حالات میں بھی کامیابی کی صورتیں پیدا فرما سکتی ہے۔ آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل جوئی میں فرمایا گیا کہ اے نبیؐ آپ ان کفار کے انکار سے رنجیدہ نہ ہوں۔ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ٥ (آیت ۱۰۳ یوسف)

آپ کو ان کے ایمان کی خواہ کتنی ہی خواہش و تمنا ہو ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں وہ اپنے کفر اور اپنے اعراض و انکار پر اڑ گئے ہیں کہ ایک بڑی عظیم حیثیت جو بیان فرمائی گئی اس سورہ مبارکہ کے تقریباً اختتام پر وہ یہ ہے کہ دنیا میں انسانوں کا معاملہ عجیب ہے کہ وہ اللہ کو مانتے تو ہیں لیکن ان کی اکثریت اس کے ساتھ کسی نہ کسی نوع کا شرک بھی کرتی ہے۔ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ٥ (آیت ۱۰۶ یوسف)

لوگوں کی اکثریت اللہ کو مانتی تو ہے لیکن اس کے ساتھ کسی نہ کسی نوع کا شرک ضرور کرتی ہے۔ ساتھ ہی حضورؐ کو حکم دیا گیا۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (آیت ۱۰۸، یوسف)

لوگوں یہ میرا راستہ توحید کا راستہ ہے خدا کی بندگی اور خدائے واحد کی پرستش کا راستہ ہے میں اسی کی طرف تمہیں بلا رہا ہوں اور علیٰ وجہ البصیرت بلا رہا ہوں اور میں بھی بلا رہا ہوں اور وہ بھی جو میری پیروی کر رہے ہیں جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے اصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

سورۃ یوسف کے بعد قرآن حکیم میں دو نسبتاً چھوٹی سورتیں ہیں یعنی سورۃ رعد اور سورۃ ابراہیم۔ سورۃ رعد میں سورۃ یونس اور سورہ انعام کی طرح آفاق و انفس کے دلائل سے اور اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور معنوی نعمتوں کے حوالے سے توحید کی دعوت دی گئی ہے۔ آخرت کا اثبات کیا گیا ہے نبوت محمدیؐ کا اثبات کیا گیا ہے ایک عجیب پیرایہ بیان اختیار کیا گیا کہ یہ لوگ آخرت پر تعجب کرتے ہیں کہ جب ہم سب مر جائیں گے اور مٹی ہو کر مٹی میں مل جائیں گے تو ہمیں اٹھا لیا جائے گا؟ فرمایا۔ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ (آیت ۵ - الرعد)

کہہ دو اے مخالف اگر تمہیں تعجب کرنا ہی ہے تو قابل تعجب ان کی بات ہے کہ وہ اللہ کی قدرت سے اسے بعید سمجھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے اگر تو انسان اللہ ہی کا انکار کر دے تو وہ بات دوسری ہے لیکن اگر

اللہ کو مان لے اور یہ تسلیم کرے کہ وہ علیٰ کل شی قدیر ہے تو پھر آخرت پر اس کا تعجب کرنا یقیناً قابل تعجب ہے. سورہ ابراہیم میں کچھ دیگر انبیاء اور رسل کا بھی ذکر ہے لیکن قدرے تفصیل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے. توحید اور ایمان باللہ کے سلسلے میں اس سورہ مبارکہ میں ایک جگہ بڑے عجیب الفاظ وارد ہوئے ہیں

اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آیت ۱۰ ابراھیم)

لوگو! کیا اللہ کے بارے میں کوئی شک لاحق ہو سکتا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے؟ آخرت کے احوال کے ضمن میں فرمایا گیا وہ شیطان لعین جس کا تم اتباع کر رہے ہو، جس کی پیروی کر رہے ہو، جس کے اغوا و اضلال کی وجہ سے تم گمراہیوں میں بھٹک رہے ہو، قیامت کے دن وہ تم سے اظہار برأت کرے گا. اعلان لاتعلقی کرے گا. اور یہ کہے گا. فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (آیت ۲۲ - ابراھیم)

مجھے ملامت نہ کرو ملامت کرو اپنے آپ کو اپنے نفس کو، اس لئے کہ میں نے تو تمہیں صرف گناہ کی دعوت دی تھی. اس دعوت کو قبول کرنا یا نہ کرنا تو تمہارے اختیار میں تھا. مجھے تم پر کوئی اختیار حاصل نہ تھا. تم نے اگر گناہ کی دعوت پر لبیک کہا، تو اصل مجرم تم خود ہو، اب تمہیں بھی اپنے کئے کی سزا بھگتنی ہوگی، اور مجھے بھی اپنے اعمال کی سزا بھگتنا ہوگی مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ (آیت ۲۲ - ابراھیم)

نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو. حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو دعا اس سورہ مبارکہ میں آئی ہے وہ بہت عظیم ہے. رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ (آیت ۳۷، ابراہیم)

اے میرے رب میں نے اپنی اولاد کا ایک حصہ اپنی نسل کی ایک شاخ اس وادی میں آباد کر دی ہے کہ جس میں کوئی زراعت نہیں ہے کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی، تیرے گھر کے پاس تاکہ وہ نماز کا نظام قائم کریں. یہ ہے درحقیقت خانہ کعبہ کی تعمیر کا اصل مقصد.

۱۴

رُبَمَا

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ٥ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا
وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ٥ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ
إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ ٥ (آیت نمبر ۲ تا ۴، الحجر)

قرآن مجید کا چودھواں پارہ " رُبَمَا " کے نام سے موسوم ہے اور اس میں دو سورتیں پوری پوری شامل ہیں یعنی پہلے سورہ حجر جس کی صرف پہلی آیت تیرہویں پارے میں شامل ہے بقیہ پوری سورہ اس چودھویں پارے میں شامل ہے اور دوسری سورہ النحل۔

سورہ حجر کے بارے میں اس کے "اسٹائل" کے اعتبار سے یہ بات نمایاں معلوم ہوتی ہے کہ یہ قرآن مجید کی بالکل ابتدائی عہد کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے اس لئے کہ اس میں آیات چھوٹی چھوٹی ہیں اور " ردھم " بہت تیز ہے اس سورہ مبارکہ میں بالکل آغاز میں قرآن حکیم کے بارے میں ایک بڑی اہم حقیقت بیان ہوئی ہے۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (آیت ۹، الحجر)
اس قرآن کو جو ذکر ہے یاد دہانی ہے، نصیحت ہے، موعظت ہے، ہم نے ہی نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ یعنی قرآن مجید کو ہر قسم کی لفظی اور معنوی تحریف سے بچانے کا ذمہ اللہ

تعالیٰ نے خود لے لیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک عظیم معجزہ ہے، کہ چودہ سو برس گزر جانے کے باوجود یہ کتاب من وعن موجود ہے اور اسلام کے کسی دشمن کو بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوتی کہ اس کتاب میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے چونکہ آپؐ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا، لہٰذا اللہ نے جو کتاب آپؐ کو عطا فرمائی ہے، اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔ سورہ حجر میں قصہ آدم و ابلیس بھی ایک نئی شان سے وارد ہوا اور اس میں ایک آیت بہت اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی تخلیق سے قبل فرشتوں سے یہ کہہ دیا تھا

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (آیت ۲۸۔ الحجر)

میں ایک بشر بنانے والا ہوں اس سنے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر کھنکھنانے لگا ہو۔ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ہ (آیت ۲۹۔ حجر)

تو جب میں اسے مکمل کر لوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں، تو گر پڑنا اس کے سامنے سجدے میں۔ معلوم ہوا کہ یہ انسان کا شرف ہے یہ اس کی وہ فضیلت ہے جو اسے تمام موجودات اور مخلوقات پر حاصل ہے کہ اس میں روح ربانی پھونکی گئی ہے۔ یہ اشرف المخلوقات اسی کی بنیاد پر ہے اور مسجود ملائک اسی کے باعث ہوا۔ یہ عظیم امانت ہے جس کا انسان حامل ہے۔ یہی وہ امانت ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ (آیت ۷۲، الاحزاب)۔

ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ لیکن سب ڈر گئے اس کا تحمل نہ کر سکے، اس کو اٹھایا انسان نے ؎

آسماں بار امانت نتوانست کشید

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند (حافظ)

اس سورۂ مبارکہ کے آخیر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دل جوئی کا معاملہ فرمایا گیا ہے۔ اے نبیؐ ہمیں خوب معلوم ہے وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ یَضِیْقُ صَدْرُكَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ (آیت ۹۷، الحجر)

کہ جو کچھ یہ کفار مشرکین آپ کے معاندین اور مخالفین کہہ رہے ہیں آپ کو اس سے دکھ پہنچتا ہے۔ آپ کا سینہ اس سے بھنچتا ہے آپ کو اس سے رنج پہنچتا ہے لیکن آپ صبر کیجئے برداشت کیجئے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ۔ (آیت ۹۸۔ حجر)۔

اپنے رب کے سامنے سجود میں اور راتوں کو اس کے سامنے کھڑے ہو کر راتیں بسر کیا کیجئے۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ٥ (آیت ۹۹۔ الحجر)۔

اپنے رب کی بندگی میں لگے رہیئے۔ اس کے بعد سورۂ نحل آتی ہے یہ نسبتاً ایک طویل سورۃ ہے جو سولہ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ یہ سورہ مبارکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بیان میں غالباً جامع ترین سورہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا بیان جس جامعیت کے ساتھ اس میں ہوا ہے وہ غالباً کسی اور مقام پر نہیں ہے۔ چنانچہ اس میں مختلف انواع و اقسام کی نعمتوں کا ذکر فرما کر ارشاد کیا جاتا ہے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (آیت ۱۱، النحل)

اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو تفکر کریں۔ غور و فکر سے کام لیں پھر کچھ اور نعمتوں کا ذکر فرما کر پھر الفاظ آتے ہیں۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ٥ (آیت ۱۳، النحل)

اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیں کچھ اور نعمتوں کا ذکر فرما کر پھر اعادہ ہوتا ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ٥ (آیت ۶۵، النحل) اور اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (آیت ۷۹، النحل)

پھر ارشاد فرمایا جاتا ہے۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (آیت ۱۸، النحل)

اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہ سکو گے۔ اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں تمہاری گنتی سے باہر ہیں۔ کہیں ارشاد ہوتا ہے۔ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (آیت ۷۱، النحل)

تو کیا یہ بدنصیب اللہ کی نعمتوں کا انکار کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اس سورہ مبارکہ میں آیا تو ان کے ضمن میں بھی خاص طور پر یہ الفاظ وارد ہوئے شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهِ (آیت ۱۲۱، النحل)

ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، شکر ادا کرنے والے

اللہ کی نعمتوں کا ذکر اس سورہ مبارکہ میں انتہائی جامعیت کے ساتھ آیا ہے اور انسان کو دعوت دی گئی ہے کہ اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے اللہ کو پہچانے، اس کی صفات کمال کی معرفت حاصل کرے، اس کی توحید کا علم حاصل کرے۔ یہ بات بھی جان لے کہ جس نے نعمتیں دی ہیں وہ نعمتوں کا حساب لے گا محاسبہ اخروی کی دلیل بھی درحقیقت یہیں سے فراہم ہوتی ہے۔ اس سورہ مبارکہ کی چند اہم آیات میں سے مثلاً ایک بڑی جامع آیت ہے جس پر عموماً جمعہ کا خطبہ ثانی ختم ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ ج (آیت ۹۰ ۔ النحل)

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل وانصاف کا احسان کا قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کا اور روکتا ہے فحش کاموں سے اور منکرات سے اور برائیوں سے۔ یہ بڑی جامع آیت ہے اور سورہ بنی اسرائیل جو سورہ نحل کے بعد آتی ہے اس کے دو رکوعوں میں گویا کہ انہی کی تفصیل آئے گی ایک اور عظیم آیت ہے۔ فرمایا گیا۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ط (آیت ۱۲۵ ۔ النحل ۔)

اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ یہ لانا اولاً حکمت کے ساتھ ہونا چاہیئے، دانائی کے ساتھ ہونا چاہیئے، عقلی دلائل کے ساتھ انسان کے ذہن کو اپیل کرنے والی دلیلوں کے ساتھ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ دوسرے درجے میں دعوت ہے۔ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (آیت ۱۲۵ ایضاً)

انتہائی دل نشین پیرائے میں نصیحت کی بات جو سیدھی دل میں لگے جو انسان کے دل میں گھر کر جائے اور آخری درجۂ جدال کی بھی اجازت ہے ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں وہ جو علامہ اقبالؒ نے کہا کہ

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر!

ایسے مرد ناداں بھی ہوتے ہیں جن پر یہ کلام نرم و نازک اثر نہیں کرتا۔ بلکہ

ع۔ نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی!

کچھ تلخ باتیں بھی کرنی پڑتی ہیں لیکن وہاں بھی ایک بندہ مومن اور داعی الی اللہ کو شرافت اور متانت وسنجیدگی اور وقار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا ہے۔ تو فرمایا اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (آیت ۱۲۵ - نحل)

اگر کہیں جدال اور جھگڑا اور بحث اور نزع کی صورت پیدا ہو جائے تو اس میں بھی تمہارا طرزِ عمل نہایت احسن ہونا چاہیئے۔ آخر میں فرمایا وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰهِ (آیت ۱۲۷ - نحل)

اے نبیؐ اگرچہ حالات انتہائی نامساعد ہیں مخالفتوں کا طوفان ہے۔ ہر چہار طرف سے رکاوٹیں اور موانع ہیں لیکن آپ جمے رہیئے! دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہیئے! صبر کیجیئے! جھیلیے! اور برداشت کیجیے جو بھی آپ کو اس راہ میں برداشت کرنا پڑے اور آپ کا صبر اللہ ہی کے سہارے ہے، اسی کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوطی کے ساتھ قائم رکھئے اور اسی کے حکم اور فیصلے کا انتظار کیجیے!

١٥
سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ
الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ
لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۝ (آیت ۱، بنی اسرائیل)

قرآن مجید کا پندرھواں پارہ "سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ" کے نام سے موسوم ہے اس میں اولاً سورہ بنی اسرائیل مکمل اور پھر سورہ کہف کے تقریباً دو تہائی حصے شامل ہیں۔ یہ دونوں سورتیں مصحف کے بالکل وسط میں واقع ہیں، اور حکمت قرآنی کے عظیم خزانوں کی حیثیت رکھتی ہیں ان دونوں میں بہت سے پہلو مشابہ ہیں، اور بعض اعتبارات سے یہ دونوں مل کر مضامین کی تکمیل کرتی ھیں گویا کہ یہ دونوں بالکل جڑواں بہنوں کی مانند ہیں۔ اولاً تو قد و قامت کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں چنانچہ دونوں بارہ بارہ ۱۲ رکوعوں پر مشتمل ہیں ـــ سورہ بنی اسرائیل کی ایک سو گیارہ آیات ہیں اور سورہ کہف کی ایک سو دس۔ پھر دونوں کا آغاز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد سے ہوتا ہے چنانچہ سورہ بنی اسرائیل کا آغاز ہوتا ہے "سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ" اور سورہ کہف کا آغاز ہوتا ہے
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ (آیت ۱-الکہف)

کے الفاظ سے ایک کے آغاز میں تسبیح باری تعالیٰ کا ذکر آیا ہے اور دوسری کی ابتدا حمد باری تعالیٰ سے ہوتی ہے اور ان دونوں کے مابین جو نسبت ہے وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے معلوم ہوتی ہے۔ التسبیح نصف المیزان" والحمد للہ علاۃ وعلاۃ ما بین السمٰوٰت و الارض" (حدیث)

سبحان اللہ سے میزان نصف ہو جاتی ہے اور الحمد للہ سے وہ پُر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دونوں سورتوں کے آغاز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہے اور دونوں میں آپ کی نسبت عبدیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ معلوم ہوا کہ حضورؐ کی اصل نسبت یا عروجی نسبت یا آپؐ کا طرہ امتیاز مقام عبدیت ہے، اور آپؐ عبدیت کاملہ کے مقام پر فائز ہیں۔ اگرچہ ہم آپؐ کی عبدیت کو اپنی عبدیت پر قیاس نہیں کر سکتے بقول علامہ اقبالؒ ے

عبد دیگر عبدہ' چیزے دگر
ما سراپا انتظار اُو منتظر

اسی طرح دونوں سورتوں کا اختتام بھی توحید باری تعالیٰ کی اہم آیات پر ہوتا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل کی آخری آیت ہے۔ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا۔ (آیت ۱۱۱ بنی اسرائیل)

اے نبیؐ کہہ دیجئے کہ ساری حمد و ستائش اور سارا شکر اس اللہ کے لئے ہے جس نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا نہ ہی کوئی حکومت میں اس کا شریک ہے، اور نہ ہی کوئی اس کا دوست ہے اس وجہ سے کہ اسے کسی امداد و اعانت کی احتیاج ہو اور اس کی تکبیر کیجئے جیسا کہ اس کی تکبیر کا حق ہے۔ سورہ کہف کے آخر میں یہ آیت مبارکہ وارد ہوئی۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ آیت ۱۱۰ الکہف اے نبیؐ کہہ دیجئے کہ میں تم جیسا ہی ایک انسان ہوں مجھ پر وحی ہوتی ہے۔ کہ تمہارا الٰہ بس ایک ہی الٰہ ہے۔ اللہ واحد جس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔

پندرواں سپارہ

اسی طرح اِن دونوں سورتوں کے وسط میں قصہ ابلیس و آدم کا ذکر ہوا ہے۔ پھر ان دونوں سورتوں میں ہجرت کا بھی ذکر ہے چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا کہ اے نبیؐ اللہ سے دعاء کیجئے! رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝ (آیت ۸۰۔ بنی اسرائیل)

اور چونکہ ہجرت کے سفر کے دوران غار ثور کا واقعہ پیش آنے والا تھا تو اسی نسبت سے محسوس ہوتا ہے کہ سورہ کہف میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان ہوا۔ ان دونوں سورتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے تمام مسلمانوں کو قرآن مجید کے ساتھ ایک محکم اور مضبوط تعلق رکھنے کا حکم ہوا۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ (آیت ۷۸، بنی اسرائیل)

اور سورہ کہف میں ارشاد فرمایا اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (آیت ۲۷، کہف)

معلوم ہوا کہ بندۂ مومن کے صبر و ثبات اور استقامت کا اصل راز بندہ مومن کی قوت کا اصل منبع اور سرچشمہ تعلق باللہ ہے جس کا سب سے موثر ذریعہ قرآن مجید کو مضبوطی سے تھام لینا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل کے آغاز اور اختتام پر بنی اسرائیل کی تاریخ کے بعض اہم واقعات کا ذکر ہے اور اس کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں بنی اسرائیل کو جو احکام عشرہ دیئے گئے تھے یعنی تورات کے "TEN COMMANDMENTS" کا QURANIC VERSION

بیان ہوا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت اس میں تورات کے احکام عشرہ ہی کی تفصیل قرآن مجید نے اپنے الفاظ میں کر دی ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں قرآن مجید کا ذکر اور اس کی اہمیت اور اس کی عظمت کا بیان تانے بانے کی مانند ہوا ہے۔ پورے قرآن مجید میں لفظ قرآن ساٹھ مرتبہ وارد ہوا ہے اور اس ایک سورہ میں سولہ مرتبہ لفظ قرآن وارد ہوا ہے۔ چنانچہ اس میں وہ چیلنج بھی ہے۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝ (آیت ۸۸، بنی اسرائیل)

اگر تمام انسان اور جن مل کر بھی کوشش کریں تو اس جیسا قرآن تصنیف نہ کر سکیں گے۔ خواہ وہ ایک دوسرے کی کتنی ہی مدد کریں۔ اسی سورہ مبارکہ کے آغاز میں فرمایا۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ (آیت ۱۰، بنی اسرائیل)

یہ قرآن ہے وہ کتاب جو رہنمائی کرتی ہے اس راستے کی طرف جو بالکل سیدھی اور مستقیم راہ ہے۔ جس میں نہ کوئی کجی ہے اور نہ کوئی زیغ اور اس کا اختتام ہوتا ہے ان انتہائی پرجلال اور پرہیبت الفاظ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا (آیت ۱۰۵، بنی اسرائیل)

اس قرآن مجید کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا اور حق کے ساتھ یہ نازل ہوا ہے۔ یعنی اب یہ فیصلہ کن کتاب بن کر آئی ہے امتوں اور قوموں کا فیصلہ اب اسی کتاب کے ذریعے ہوگا۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویذل بہ آخرین۔ (حدیث)

اللہ تعالیٰ اب اسی کتاب کی بدولت قوموں کو عروج عطا فرمائے گا اور اسی کتاب کو ترک کرنے کے باعث قوموں کو ذلیل و رسوا کر دے گا۔ گویا کہ سورہ بنی اسرائیل کا مرکزی مضمون قرآن مجید ہے جب کہ سورہ کہف کا مرکزی مضمون اس حیات دنیوی کی حقیقت کو نمایاں کرنا ہے کہ یہاں کی ساری زینتیں اور آرائشیں یہاں کی ساری چہل پہل یہاں کی ساری رونقیں صرف اس لئے ہیں کہ تمہارا امتحان کیا جائے اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرُزًا (آیت ۷-۸- الکہف)

ہم نے اس زمین پر جو کچھ بھی ہے اسے اس کا سنگھار بنا دیا ہے اس کی زیبائش اور آرائش بنا دیا ہے تاکہ تمہیں آزمائیں کہ کون ہیں وہ لوگ جو صرف اس پر ریجھ کر رہ جاتے ہیں۔ اور کون ہیں وہ باہمت مردان خدا جو یہاں رہتے ہوئے بھی اس کی محبت میں گرفتار نہیں ہوتے۔ بلکہ اللہ سے لو لگائے رکھتے ہیں۔ اور اس سے محبت کرتے ہیں۔ سورہ کہف کا جو حصہ ہے اس پندرہویں پارے میں آیا ہے اس میں اصحاب کہف کا قصہ بیان ہوا تفصیل کے ساتھ اور یہ بھی درحقیقت انسان کی آزمائش کا ایک اہم واقعہ ہے کہ کچھ نوجوان

ہو توحید باری تعالیٰ پر پوری طرح قائم ہو گئے ان پر شدائد اور مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا یہاں تک کہ ان کی جان کو اندیشہ لاحق ہو گیا تو انہوں نے توحید پر اپنے آپ کو مستقیم اور ثابت قدم رکھا اور وہ اپنی آبادی کو چھوڑ کر ایک غار میں جا کر پناہ گزین ہو گئے۔ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ (آیت ۱۳ الکہف)

قرآن مجید ان کا ذکر کرتا ہے کہ وہ کچھ ایسے نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ھدایت میں اضافہ کیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی سنّت اس کا قانون اور ضابطہ یہی ہے کہ جو اس کی طرف بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کیلئے اپنی راہیں کھولتے چلے جاتے ہیں اور اس کے لئے نیکی کی راہ کو آسان فرماتے چلے جاتے ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل اور سورہ کہف کے ان مرکزی مضامین میں جو نسبت ہے وہ حضورؐ کے ایک فرمان سے بڑی واضح ہو جاتی ہے۔ حضورؐ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ " ان دلوں پر بھی زنگ آجاتا ہے جیسا کہ لوہے پر زنگ آجاتا ہے۔ جب کہ اس پر پانی پڑتا رہے۔" (حدیث) صحابہ نے دریافت فرمایا فَمَا جِلَاءُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ۔ کہ یا رسولؐ اللہ پھر ان دلوں کے زنگ کو کس طرح دور کیا جائے ان کا صیقل کیا ہے فرمایا کثرت الذکر الموت وتلاوت القرآن ۔۔۔۔ (حدیث)

کثرت کے ساتھ موت کو یاد کرنا، اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا کہ یہ دنیا ہمارا وطن نہیں ہے یہ مستقل ٹھکانہ نہیں ہے، یہاں سے بہرحال جانا ہے، اور کثرت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت پر کاربند رہنا اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں باتوں کی توفیق عطا فرمائے!۔

١٦

قَالَ اَلَمْ

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ
عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝

(الآیۃ ۷۵، ۷۶ - سورۃ الکھف)

قرآن حکیم کا سولہواں پارہ "قَالَ اَلَمْ" کے نام سے موسوم ہے اس کے نصف اول میں سورہ کہف کی لقبیہ چھتیس آیات اور سورہ مریم مکمل شامل ھیں۔ اور اس کا نصف آخر کامل سورہ طٰہٰ پرمشتمل ہے۔ سورہ کہف کے بارے میں یہ بات عرض کی جاچکی ہے کہ اس کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ انسانوں پر یہ حقیقت واضح رہے کہ یہ حیات دنیوی محض ایک امتحانی وقفہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ انسان کا امتحان لیتا ہے، کبھی وہ تنگی سے آزماتا ہے اور کبھی کشادگی سے آزماتا ہے، یہاں کی اونچ نیچ سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے بلکہ جاننا چاہیئے کہ انسان کی اصل منزل آخرت ہے۔ اس پارہ میں اس سورہ مبارکہ کا جو حصہ شامل ہے اسمیں اولاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس واقعہ کا اصل حاصل یہی ہے کہ اس دنیا میں جو واقعات وحوادث رونما ہوتے رہتے ہیں ان کے ظاہر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز انسان کو انتہائی ناگوار ہو لیکن اس کے پردے میں انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی

خیر آرہا ہو۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا:۔

وَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰٓ أَن تُحِبُّوا۟ شَيْـًٔا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ (آیۃ ۲۱۶، البقرۃ)

ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو درآنحالیکہ وہ تمہارے حق میں شر ہو اور کسی چیز کو ناپسند کرو درآنحالیکہ وہ تمہارے حق میں خیر پر مشتمل ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔ اس کے بعد ذوالقرنین کا ذکر ہوا۔ یہی ایک خدا ترس اور نیک دل بادشاہ تھے جنہیں تاریخ میں کیخسرو یا سائرس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سورہ مبارکہ کے آغاز میں اصحاب کہف کا ذکر ہوا جن کا اللہ تعالیٰ نے امتحان لیا۔ شدائد و مصائب کی صورت میں کہ ان کے لئے توحید پر کاربند رہنا ناممکن ہو گیا ہے اور وہ مجبور ہو گئے کہ آبادی کو چھوڑ کر ایک غار میں پناہ لیں۔ امتحان کی انتہائی کیفیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے پر اپنے انعامات و نوازشات کی بارش فرمائے اسے دنیاوی وجاہت و اقتدار اور دولت و ثروت عطا فرمائے اور دیکھے کہ وہ اللہ کا شکرگذار بندہ ہو کر رہتا ہے یا مغرور ہو کر اللہ کو بھلا بیٹھتا ہے۔ حضرت ذوالقرنین اس دوسری آزمائش کی ایک بڑی عمدہ مثال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین میں تمکن اور غلبہ عطا فرمایا۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے نیک دل اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور عدل و انصاف پر کاربند رہنے والے انسان کی حیثیت ہی سے اس دنیا میں رہے۔ سورہ کہف کی آخری آیات بڑی اہم ہیں۔ ان میں پھر اس حقیقت کو کھولا گیا ہے کہ انسان کی تباہی کا اصل سبب یہی ہے کہ وہ دنیا ہی کو اپنا مطلوب و مقصود بنا لے۔ فرمایا:۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِٱلْأَخْسَرِينَ أَعْمَٰلًا ۝ ٱلَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ (آیۃ ۱۰۳، ۱۰۴ الکہف)

اے لوگو کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنی سعی و جہد اپنی کد و کاوش کے اعتبار سے سب سے زیادہ گھاٹے اور خسارے میں رہنے والے لوگ کون سے ہیں وہ لوگ کہ جن کی سعی و جہد اس دنیا کی زندگی ہی میں بھٹک کر رہ گئی انہوں نے دنیا ہی کو اپنا مطلوب و مقصود بنا یا ہو ساری بھاگ دوڑ صرف دنیا اور اس کے لذائذ اور اس کی آسائشوں ہی کے حصول کے لئے وقف کر دی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ آخرت میں ان کے لئے کچھ نہیں ہے

فَلَا نُقِيۡمُ لَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَزۡنًا (سورۃ الکہف آیۃ ۱۰۵) قیامت کے دن ان کی سعی وجہد کا کوئی وزن نہیں ہوگا، میزان ربانی میں ان کی ساری جدوجہد پرکاہ کے برابر بھی وزن نہ رکھے گی۔

سورہ کہف کے بعد قرآن مجید میں سورہ مریم وارد ہوتی۔ اس سورہ مبارکہ میں انبیاء کرام کا ذکر ہے اس اعتبار سے نہیں کہ جس اعتبار سے اس سے پہلے کی مکی سورتوں میں ہوتا رہا ہے یعنی رسولوں کے اعراض وانکار پر قوموں کی ھلاکت کا معاملہ اس سورہ مبارکہ میں اس طرح کا ذکر نہیں ہے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر انبیاء کے شخصی دفاع اور ان کی سیرت وکردار کو بیان کیا ہے سب سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰؑ کا بیان ہے پھر حضرت مریم سلام اللہ علیہا اور حضرت عیسیٰؑ کا ذکر ہے اور اس ضمن میں بڑی شدت کے ساتھ نفی کی گئی ہے الوہیت حضرت مسیح علیہ السلام کے عقیدے کی۔ چنانچہ ان کا قول نقل ہوا۔

اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الۡكِتٰبَ وَجَعَلَنِیۡ نَبِیًّا (آیت ۳۰ مریم) میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے۔ یعنی انجیل اور مجھے اپنا نبی بنایا ہے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء امام الناس خلیل اللہ کا ذکر ہے اور انہوں نے جس لجاجت کے ساتھ جس عاجزی کے ساتھ اور جس انکساری کے ساتھ اور جتنی پرسوز اور جتنے پردرد لہجے میں اپنے والد کو دعوت دی خدائے واحد پر ایمان لانے کی اس کا بڑے ہی دلنشین پیرائے میں ذکر ہوا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ حضرت اسماعیل حضرت ادریسؑ کا ذکر ہے۔ اسکے بعد ایک مضمون بڑا اہم آیا ہے نبی اکرم کو قرآن مجید سے جو عشق تھا، وہ معلوم ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے حضورؐ نے شکوہ کیا کہ آپ وقفے وقفے سے آتے ہیں، ہمارا شوق اور ہمارا اشتیاق اس دوران میں بڑھتا چلا جاتا ہے، آپ جلدی جلدی وحی لایا کریں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا جواب اس سورۃ میں نقل ہوا

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّكَ ۚ (سورہ مریم آیۃ ۶۴) اے نبیؐ ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہوسکتے۔ لَهٗ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡنَا وَمَا خَلۡفَنَا وَمَا بَيۡنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۚ (آیت ۶۴، مریم) ہمارے سامنے جو کچھ ہوا اس کا اختیار بھی اسی کو ہے ہمارے پیچھے جو کچھ ہے اس کا اختیار بھی اسی کو ہے۔ اور ان دونوں کے مابین جو کچھ ہے اس کا مختار مطلق

بھی وہی ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔ یعنی اگر وحی قرآنی میں وقفہ ہو رہا ہے تو نعوذ باللہ من ذٰلک یہ کسی نسیان کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ اس میں حکمت خداوندی کار فرما ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کے آخر میں ایک اور عظیم آیت وارد ہوئی وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ (آیت ۹۵ مریم) قیامت کے دن ہر انسان کو اللہ کی عدالت میں انفرادی حیثیت میں پیش ہونا ہو گا کوئی اور اس کی طرف سے جواب دہی نہ کر پائے گا۔ ہر ایک کو اپنا حساب خود ہی چکانا ہو گا۔ اس کے بعد سورہ طٰہٰ ہے۔ یہ سورہ مبارکہ سورہ یوسف سے کچھ مشابہ ہے۔ اس اعتبار سے کہ اس کی ایک سو پینتیس ۱۳۵ آیات میں سے ننانوے آیات میں ایک ہی رسولؑ کا ذکر ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات کا۔ اور اس سورۃ مبارکہ میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کے دوران ایک بڑی عجیب بات ارشاد ہوتی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر طلب فرمایا گیا، تو آپ اپنے شوق اور اشتیاق کے باعث وقفہ معینہ سے قبل پہنچ گئے، اللہ تعالیٰ نے سوال فرمایا۔ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ” (آیت ۸۳، طٰہٰ) اے موسیٰ تم یہ پہلے کیسے آگئے؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا۔ عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى (آیت ۸۴، طٰہٰ) میں اس لئے جلدی آیا کہ تو راضی ہو جائے لیکن جواب میں ارشاد ہوا:۔

فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ ” (آیت ۸۵، طٰہٰ) تمہاری اس جلدی کا ایک نتیجہ نکل چکا ہے، اور تمہاری قوم گمراہی میں مبتلا ہو گئی ہے۔ اسی کے ساتھ حضورؐ کو بھی ایک بڑے لطیف پیرائے میں یہ تلقین فرمائی گئی کہ اگرچہ قرآن مجید سے عشق اپنی جگہ انتہائی مبارک و مسعود ہے لیکن اس کے معاملے میں آپ جلدی نہ کیجئے۔ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۝ (آیت ۱۱۴، طٰہٰ)

اور اے نبیؐ جلدی نہ کیجئے قرآن کے لئے اس سے پہلے کہ حکمت الٰہی میں اس کی تنزیل کے لئے جو تدریج معین ہے، اس کے مطابق اس کی وحی مکمل ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ عجلت اور جلد بازی خواہ خیر ہی کے لئے ہو اچھی چیز نہیں ہے۔ ہر کام کے

لئے ایک تدریج معین ہے اور اس تدریج ہی کے ساتھ ہر کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝ مَا يَأْتِيهِم
مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝
لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ ۗ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ
هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۖ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ۝
(آیۃ ا تا ۳۔ الانبیاء)

قرآن مجید کا سترھواں پارہ " اقترب للناس " کے نام سے موسوم ہے اور یہ پورے قرآن مجید میں منفرد ہے اس اعتبار سے کہ اس کے نصف اول میں بھی ایک مکمل سورۃ وارد ہوئی ہے اور نصف ثانی میں بھی۔ یعنی سورۃ الانبیاء اور سورۃ الحج۔ سورۃ الانبیاء اپنے مضامین کے اعتبار سے سورہ مریم سے بہت مشابہ ہے اس لئے کہ اس میں بھی ایک کثیر تعداد میں انبیاء کرام کا ذکر ہے اور وہ ان کی ذاتی شخصیت اور اس کی عظمت کے پہلو سے۔ اور اس سورہ مبارکہ میں بھی سورہ مریم ہی کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر عین وسط میں وارد ہوا ہے۔ اس سورہ مبارکہ کے آغاز میں تو انسانوں کی غفلت کا ذکر ہے کہ :-

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝ (آیۃ ا، الانبیاء)

لوگوں کے لئے ان کا محاسبہ ان کے بالکل سروں پہ آچکا ہے یعنی موت کا کچھ علم نہیں کہ وہ کب آجائے اور جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا:۔ "من مات فقد قامت قیامتہ" (الحدیث) جسکی موت واقعہ ہوگئی۔ اسکی تو قیامت قائم ہوگئی لیکن لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ غفلت ہی میں اعراض و انکار کی روش پر اڑے رہتے ہیں۔ اس سورہ مبارکہ میں بھی وہ مضمون ایک مرتبہ پھر آیا ہے، جو اس سے پہلے سورہ مریم میں بڑی تفصیل سے آچکا ہے۔ اور اجمالاً اس کی طرف اشارہ سورۂ "طٰہٰ" میں بھی ہوا ہے۔ فرمایا گیا:۔
خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (آیت ۳۷، الانبیاء) انسان کا خمیر جس مٹی سے اٹھایا گیا ہے اس میں عجلت پسندی جزو لاینفک کی حیثیت سے موجود ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ جو بھی کام کرنا ہو جلد از جلد کرلے حالانکہ ہر کام کے لئے ایک تدریج معین ہے اور اس کے مراحل کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی تکمیل کے لئے انسان کو کوشاں ہونا چاہیئے۔ اس سورہ مبارکہ میں وہ آیہ کریمہ بھی وارد ہوئی جو اپنی غلطی کے اعتراف اور اللہ سے عفو و درگزر کی درخواست کے پہلو سے قرآن مجید کی عظیم ترین آیت ہے۔ یعنی حضرت یونس علیہ السلام کا قول "لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝" (آیت ۸۷، الانبیاء) اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے برتر ہے اور اعلیٰ ہے، اور منزہ ہے اور ارفع ہے ہر عیب سے ہر کمی سے، ہر نقص سے، ہر احتیاج اور ضعف سے:۔ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ "میں ہی تھا جس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ یہ آیت کریمہ جیسا کہ عرض کیا گیا، استغفار اور اللہ تعالیٰ سے عفو اور درگزر کے طالب ہونے کے اعتبار سے بڑی ہی جامع اور موثر دعا کی حیثیت رکھتی ہے۔ سورہ انبیاء ہی میں وہ عظیم آیت وارد ہوئی کہ" وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (آیت ۱۰۷، الانبیاء) اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپؐ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اس سے پہلے ایک موقع پر یہ عرض کیا جاچکا ہے کہ نبوت اور رسالت رحمت خداوندی کے مظہر ہیں اور یہ نبوت و رسالت چونکہ مکمل ہوگئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تو گویا آپؐ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مظہر اُتم ہیں اور چونکہ آپؐ کی بعثت پوری نوع انسانی کے لئے ہوئی ہے اس لئے آپؐ کا دور رسالت تاقیام قیامت جاری ہے، لہٰذا فرمایا گیا کہ:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ (آیت ۱۰۷، الانبیاء) اور اے محمدؐ ہم نے آپکو تمام جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

سورہ الحج بھی قرآن مجید کی ایک بہت اہم اور بہت جلیل القدر سورہ ہے۔ اس کے عین وسط میں مناسک حج کا ذکر ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بہ تکرار ذکر ہوا ہے اور قربانی کے ذکر کے ضمن میں وہ الفاظ بھی وارد ہوئے کہ:۔ لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (آیت ۳۷، الحج) اے لوگو اللہ تک تمہاری قربانیوں کا نہ گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون اللہ تک پہنچنے والی چیز تو تقوی ہے۔ اگر وہ موجود ہو اور اگر دل تقوٰی سے خالی ہو تو چاہے کوئی شخص ہزاروں روپے کا جانور اللہ کی راہ میں قربان کر دے، اللہ کے میزان میں اس کا کوئی وزن نہیں ہے۔ اللہ اصل میں لوگوں کے دلوں کی طرف دیکھتا ہے کہ ان میں تقوی خشیت الٰہی اور محبت خداوندی موجود ہے یا نہیں؟ سورہ حج کے آغاز میں قیامت کا ذکر بڑے پر ہیبت انداز میں ہوا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝ (آیت ۱، الحج) اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو، اس کی پکڑ سے بچتے رہو واقعہ یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بہت ہی مہیب ہوگا۔ ہلا دینے والی چیز۔ اس کے بعد اس کا تفصیلی نقشہ کھینچا گیا ہے۔ سورہ الحج کے آخر میں مسلمانوں کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا ہے:۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (آیت ۷۷، الحج) اے اہل ایمان رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی پرستش کرو اور اس کی بندگی کرو، اس کی کامل اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لو اور بھلے کام کرو، نیک کام کرو، خلق خدا کی بہتری کے لئے کوشاں رہو، تاکہ تم فلاح پاؤ

وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۝ (آیت ۷۸، الحج) اور اللہ کی راہ میں محنت کرو، جدوجہد کرو، کوشش کرو، سعی کرو، جتنا کہ اس کے لئے محنت اور سعی کا حق ہے اور اس سعی و جہد کا ھدف کیا ہے؟ لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ

وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ﴿آیت ۷۸، الحج﴾ کہ رسولؐ ہو جائیں گواہ تم پر
رسولوں نے جس طرح دین کی تبلیغ کی قرآن تم تک پہنچا دیا اللہ کی طرف سے حجت تم پر قائم
کر دی اسی طرح تم قرآن کو پہنچاؤ اور دین کی تبلیغ کرو، پوری نوع انسانی کو اور ان پر حجت قائم کر دو۔
اللہ کی توحید کی گواہی دو، محمدؐ کی رسالت کی گواہی دے دو، بقول علامہ اقبالؒ:

ع دے تو بھی محمدؐ کی صداقت کی گواہی !!

سورہ الحج میں ایک اور اہم مضمون جو وارد ہوا ہے وہ اہل ایمان کو قتال کی اجازت
ہے۔ اس سے پہلے اہل ایمان کو اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی حکم تھا مار یں
کھاؤ، تشدد کو جھیلو، مصائب کو برداشت کرو، لیکن اپنی مدافعت میں بھی تمہیں ہاتھ اٹھانے کی
اجازت نہیں ہے۔ لیکن اب ہجرت کے بعد مسلمانوں کو اجازت مل گئی:۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿آیت ۳۹، الحج﴾
اہل ایمان کو اب اجازت دی جا رہی ہے جن پر تشدد روا رکھا گیا، جن پر جنگ ٹھونس
دی گئی، اب انہیں کھلی اجازت ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دو۔ اور اللہ ان کی نصرت پر غالب ہے۔
ساتھ ہی پیشگی اطلاع دے دی گئی کہ مسلمانو! اب تمہارے غلبہ اور اقتدار کا دور قریب ہے لیکن
تمہیں اقتدار و غلبہ و تمکن فی الارض حاصل کرنے کے بعد دنیا والوں کی روش اختیار نہیں کرنی ہے بلکہ
تمہیں مصداق بننا ہے ان الفاظ مبارکہ کا کہ:۔ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ﴿آیت ۴۱، الحج﴾
وہ لوگ کہ جنہیں ہم زمین میں غلبہ عطا فرمائیں، تمکن عطا فرما دیں، اقتدار سے نوازیں تو
وہ نماز کو قائم کریں گے، زکواۃ کا نظام قائم کریں گے نیکیوں کا حکم دیں گے اور بدیوں سے روکیں گے
خیر کی تبلیغ اور اشاعت اور شر کا استیصال یہ ہے ان لوگوں کا فرض منصبی جنہیں اللہ تعالیٰ
اپنی زمین میں تمکن اور غلبہ اور اقتدار عطا فرماتے۔

۱۸
قَدْ اَفْلَحَ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ
هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ
هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ

(آیة ۱ تا ۶ المؤمنون)

قرآن مجید کے اٹھارھویں پارے میں جو "قد افلح" کے نام سے موسوم ہے دو سورتیں پوری پوری شامل ھیں، یعنی سورہ "المومنون" اور سورۃ "نور" اور آخر میں بیس ابتدائی آیات سورہ "الفرقان" کی شامل ھیں۔

سورہ المومنون اپنے مضامین کے اعتبار سے ان مکی سورتوں سے مشابہت رکھتی ہے جن میں تفصیل کے ساتھ اللہ کے رسولوں اور ان کی اُمتوں کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ خاص طور پر اس پہلو سے کہ جن قوموں کی طرف اللہ نے اپنے رسولوں کو مبعوث کیا، انہوں نے جب انکار اور کفر کی روش اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ھلاک و نیست و نابود کر دیا۔ انبیاء و رسل کے اس ذکر میں ایک آیہ مبارکہ بڑی عجیب وارد ہوئی ہے: وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا

رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ (آیت ۵۲، المومنون) نبیوں اور رسولوں سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم ایک ہی اُمت ہو ایک ہی امت واحدہ کے افراد ہو اور میں تم سب کا رب ہوں، پروردگار، خالق اور پالنہار، پس میرا ہی تقویٰ اختیار کرو۔ گویا یہ انبیاء کی وساطت سے اصل میں ان کی اُمتوں سے خطاب ہوا ہے کہ اگر کوئی حضرت مسیحؑ کا نام لیوا ہو یا کوئی اگر حضرت موسیٰؑ کا نام لیوا ہو، وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ کوئی جدا گانہ ملتیں تھیں یا جدا دین تھے۔ بلکہ یہ وہی دین ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے چلا آرہا ہے، اور جو بالآخر کامل ہوا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ سورہ المومنون کے آغاز میں اہلِ ایمان کے کچھ اوصاف بیان ہوئے ہیں اور درحقیقت ان کے پردے میں یہ حقیقت کھل گئی ہے کہ انسان کے سیرت و کردار کی صحیح تعمیر یا علامہ اقبالؒ کی اصطلاح میں تعمیرِ خودی کے لئے لازمی اساسات کیا ہیں؟ فرمایا:- قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ لا الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ (آیت ۱ تا ۴، المومنون)

کامیاب ہو گئے وہ اہلِ ایمان جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں جو بیکار اور لغو باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں، جو تزکیہ نفس پر کاربند رہتے ہیں اور اس کے لئے مسلسل کوشاں رہتے ہیں جو اپنی خواہش نفس بالخصوص جنسی شہوت کو قابو میں رکھتے ہیں اور اس کی تسکین کے لئے کوئی ناجائز راستہ اختیار نہیں کرتے، جو اپنے عہد پر کاربند رہنے والے اور امانتوں کو ادا کرنے والے ہیں اور آخر میں پھر فرمایا:-
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ (آیت ۹، المومنون) وہ جو کہ اپنی نمازوں کی محافظت کرنے والے ہیں۔

ان اوصاف کی ابتداء اور انجام دونوں میں نماز کا ذکر کر کے اشارہ کر دیا گیا کہ تعمیرِ سیرت کا یہ پروگرام شروع بھی نماز سے ہوتا ہے اور اسکی معراج بھی نماز ہی ہے۔ جیسا کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:-
الصلوٰۃ معراج المومنین (حدیث) سورہ مومنون کے اختتام پر بھی ایک بڑے ہی دلنشین پیرائے میں آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ (آیت ۱۱۵، مومنون)

کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ اے لوگو! کہ ہم نے تمھیں بیکار اور عبث پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف واپس نہیں آؤ گے۔ تمہیں ہماری طرف واپس لوٹا یا نہ جائے گا؟ یعنی اگر کسی کا یہ خیال ہے کہ زندگی بس یہی زندگی ہے اور اس کے بعد کوئی زندگی نہیں اور زندگی کے اعمال کا کہیں کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں تو گویا وہ اس تخلیق کو عبث قرار دے رہا ہے۔ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ (آیت ۱۱۶، المومنون) تو اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے وہ تمہارے اس گمان سے بہت بلند و بالا اور اعلیٰ و ارفع ہے، اس کی حکمت سے یہ چیز کسی بھی طرح سے لگا نہیں کھاتی کہ وہ انسانوں کو بے مقصد اور بیکار پیدا کرے۔ اس کے بعد سورہ نور آتی ہے، یہ عظیم سورہ ہے قرآن مجید کی، نو رکوعوں پر مشتمل اور اس کے عین وسط میں یعنی پانچواں رکوع آیات نور پر مشتمل ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (آیت ۳۵، النور) آسمانوں اور زمین کا نور اللہ ہے کہ اللہ ہی کو پہچانو گے تو اس کائنات کی حقیقت بھی تم پر منکشف ہو گی اور خود اپنی عظمت سے بھی آگاہ ہو سکو گے۔ اللہ کا یہ نور بندہ مومن کے قلب میں نور ایمان کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے اور اس کی یہ تمثیل دی گئی کہ یہ نور، نور ایمان، نور فطرت، نور عقل سلیم اور نور وحی کے امتزاج سے وجود میں آتا ہے، نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ جب نور فطرت پر نور وحی کا اضافہ ہو جاتا ہے تو یہ نور پر نور ہے، روشنی ہی روشنی ہے۔ اس کے بالمقابل برعکس کیفیت ہے ان لوگوں کی جو اس نور ایمان سے محروم ہیں۔ ان کی زندگیوں میں اگر کوئی خیر ہے بھی تو صرف دکھاوے کا خیر ہے ریا کاری کی نیکی ہے، جس کی اللہ کے ہاں کوئی قدر نہیں اور ریا پھر وہ لوگ ہیں کہ جن کی کیفیت ہے۔ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ (آیت ۴۰، النور)۔ صرف نفس پرستی مفاد پرستی یا یوں کہیئے کہ خود پرستی ہی ان کی زندگی کا مقصود و مطلوب ہے۔ کوئی خیر کوئی بھلائی یہاں تک کہ جھوٹ موٹ کی نیکی کا کوئی ملمع بھی ان کی زندگی میں موجود نہیں ہے یہ پانچواں رکوع حکمت قرآنی کا ایک اہم خزانہ ہے۔ اس سے پہلے اور اس سے بعد سورہ نور میں بالخصوص مسلمانوں کی معاشرتی زندگی اسلام کا معاشرتی نظام بیان ہوا ہے کہ اسلامی معاشرہ ایک مخلوط

معاشرہ نہیں ہے، اس میں مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل جول پسندیدہ نہیں ہے، یہاں تک کہ کوئی حقیقی ضرورت لاحق ہو، کوئی مجبوری پیدا ہو جائے۔ ستر کا حکم دیا گیا، حجاب کے احکام آئے، گھروں میں مردوں اور عورتوں کو جس طرح رہنا چاہیئے اس کے تفصیلی احکام دیئے گئے۔ انہی چیزوں سے متعلق بعض واقعات بھی اس سورہ مبارکہ میں آئے چنانچہ واقعہ افک بیان ہوا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جو تہمت لگی عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کی سازش سے جس میں بعض سادہ لوح مسلمان بھی شامل ہو گئے اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا، اور اس کے ساتھ ہی اسلامی معاشرے کو فواحش اور بدکاری سے پاک کرنے کیلئے زنا کی حد بھی بیان ہوئی اور اگر کوئی کسی پر زنا کی جھوٹی تہمت لگا دے تو اس کی حد اس کی سزا یعنی حد قذف[1] کا بیان بھی ہوا، ساتھ ہی لعان[2] کا قانون، بھی بیان ہوا۔ الغرض معاشرتی زندگی کے متعدد پہلو ہیں جو اس سورہ مبارکہ میں زیر بحث آتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو تفصیلی احکامات دیئے گئے ہیں کہ تمہیں اپنی معاشرت کن اصولوں پر استوار کرنی ہے۔ سورہ فرقان کا آغاز ہوتا ہے اس عظیم آیت سے جس میں پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عبدیت پر زور دیا گیا:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ (آیہ ۱ الفرقان) بہت بابرکت ہے وہ ذات جس

---

[1] قذف (ع) لغوی معنی ہیں پتھر مارنا، گالی دینا، زنا اور حرام کاری اور بدی سے کسی کو نسبت کرنا اور استفراغ یعنی قے کرنا (لغت کشوری)

شرع میں یہ وہ اصطلاح ہے جس کی رو سے بغیر شہادت کے تنہا اتہام جرم قرار دیا گیا ہے بصورت عدم وجود شہادت، لعان کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

[2] لعان (ع) لغوی معنی ہیں آپس میں ایک دوسرے کو لعن اور نفرین کرنا۔ اور شرع میں لعان وہ ہے کہ شوہر اپنی منکوحہ کو زنا کی تہمت لگائے مگر گواہ نہ ہوں۔ پس دونوں بحکم قاضی بطور شرعی آپس میں لعنت کرتے ہیں اور بعد میں قاضی ان دونوں کو ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے جدا کر دیتا ہے (لغت کشوری)

شریعت میں لعان کا طریقہ یہ ہے کہ زن و شوہر دونوں اپنی سچائی اور فریق ثانی کی دروغ گوئی کا بحلف اظہار کریں اور اس کے بعد ان میں تفرقہ کر دیا جائے۔

(مولانا شبلی نعمانی: سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد اول ص ۴۴۶ مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۶۲ء بحوالہ بخاری جلد دوم ص ۷۰۰ و سیرت زرقانی قلمی، ابوداؤد جلد دوم ص ۲۱۲، نیز فتح الباری جلد دوم ص ۱۰۶)

نے نازل فرمایا الفرقان یعنی وہ قرآن مجید جو حق اور باطل کے درمیان کھلا کھلا امتیاز کر دینے والا ہے، اور نازل فرمایا اپنے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لئے کہ:۔

لِيَكُونَ لِلْعَٰلَمِينَ نَذِيرًا ۝ (آیت ایضاً)۔ وہ خبردار کرنے والے بن جائیں۔ آگاہ کر دیں تمام جہان والوں کو حق بھی واضح کر دیں اور باطل بھی کھول کر بیان کر دیں جو سچائی کا راستہ یعنی صراط مستقیم ہے اس کو بھی پوری طرح بیان فرمادیں اور واضح فرمادیں اور جو کجی کی پگڈنڈیاں ہیں۔ ان سے بھی لوگوں کو خبردار کر دیں۔ اس سورہ مبارکہ میں یہ مضمون بھی وارد ہوا کہ کفار یہ اعتراض کیا کرتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ: مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ۝

(آیت ۸، الفرقان) یہ کیسے رسول ہیں جو کھانا بھی کھاتے ہیں بازاروں میں بھی چلتے پھرتے ہیں یعنی یہ تو عام انسانوں کی مانند ہیں۔ جواب دیا گیا۔ اے نبیؐ ان سے کہیے کہ ہم نے آپ سے پہلے جتنے نبی مبعوث کئے جتنے رسول بھیجے وہ سب اسی طرح کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے وہ بھی اسی طرح بشریت سے متصف تھے۔ انسانوں کی ھدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی سنت یہی رہی ہے کہ انسانوں کو مبعوث کیا جو ان ہی میں سے ہیں جو انہی کی زبان بولتے ہوئے آئے اور جن کے ساتھ زندگی کے تمام وہ لوازم لگے ہوئے ہیں جو عام انسانوں کے ساتھ لگے ہوتے ہیں اور ان سب کے باوجود انھوں نے اپنی زندگی میں صداقت اور راستی، عدل وانصاف، حق پرستی خدا کی بندگی صراط مستقیم پر چلنے کا ایک کامل نمونہ پیش کر کے ابنائے نوع پر حجت قائم کر دی کہ ؎

درمیان قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش!

اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی اللہ کا بندہ بن کر رہنا ممکن ہے اور اس کا بین ثبوت انبیاء کرام کی زندگیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

۱۹
وَقَالَ الَّذِيْنَ

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا لَقَدِ
اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ٥ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى
يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ٥ (آیت ۲۱، ۲۲، الفرقان)

قرآن مجید کا انیسواں[۱۹] پارہ " وَقَالَ الَّذِيْنَ " کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے، اور اسی نام سے موسوم ہے اس میں اولاً سورہ الفرقان کی بقیہ ستاون آیات شامل ہیں پھر سورہ شعراء مکمل اور آخر میں سورہ نمل کی ابتدائی انسٹھ آیات شامل ہیں۔ سورہ الفرقان کا جو حصہ اس پارے میں وارد ہوا ہے اس میں وہ عظیم آیت بھی آئی ہے جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فریاد نقل ہوئی ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ٥

(آیت ۳۰، الفرقان) اور پیغمبرؐ کہیں گے کہ اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔ اس آیت کا براہ راست تعلق اس سورہ مبارکہ کی پہلی آیت سے ہے کہ اللہ نے اپنے نبیؐ کو بھیجا ہی اس لئے اور اسی لئے ان پر کتاب نازل فرمائی۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ٥
(آیت ۱، الفرقان)

کہ وہ تمام جہان والوں کو خبردار کر دیں لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو قرآن کے ذریعے دعوت دی اور انہوں نے اعراض و انکار کی روش اختیار کی تو یہ فریاد کے الفاظ حضورؐ کی زبان پر دارد ہوئے کہ لے رب! میری اس قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا ہے اس کی طرف ملتفت نہیں ہو رہی ہے، اس کی طرف متوجہ نہیں ہو رہی ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے حواشی میں بڑی پیاری بات کہی ہے کہ اس آیت میں اگرچہ اصل ذکر کفار کا ہے لیکن مسلمانوں میں سے بھی وہ لوگ جو قرآن مجید سے بے اعتنائی برتیں، نہ اس کی طرف پڑھنے کے لئے متوجہ ہوں اور نہ اس کو سمجھنے کی کوشش کریں نہ اس پر عمل کرنے کے لئے کوشاں ہوں اور نہ ہی اسے دوسروں تک پہنچانے کا جو فرض منصبی ہے اسے پورا کریں تو یہ سب لوگ بھی درجہ بدرجہ اسی آیت کے حکم میں شامل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس صورت سے اپنی پناہ میں لے۔ اسی سورہ مبارکہ میں وہ عظیم آیت بھی آئی کہ :-

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (آیت ۴۳، الفرقان) اے نبیؐ کیا آپؐ نے ان لوگوں کی حالت پر غور کیا جنہوں نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا۔ معلوم ہوا شرک کی یہی صورت نہیں ہے کہ بت کو پوجا جائے یا ستاروں کی پرستش کی جائے بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے جتنے بھی تقاضے انسان کے اندر سے ابھریں اُن کو بجا لانے پر کمربستہ ہو جانا بلکہ بغیر یہ دیکھے ہوئے کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے؟ اور ان تقاضوں کی ادائیگی کی کون سے شکل اللہ نے جائز ٹھہرائی ہے اور کون سی صورتیں ناجائز ٹھہرائی ہیں، خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لینے کے مترادف ہے۔ سورہ الفرقان کے آخر میں وہ آیات وارد ہوئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کے اوصاف بیان کئے ہیں سورہ المومنون کے آغاز میں وہ بنیادی اساسات واضح کی گئی تھیں جن پر بندہ مومن کی شخصیت کی تعمیر ہو سکتی ہے وہ اس موضوع کا نکتہ آغاز تھا سورہ الفرقان کے آخری رکوع میں اس کا تکمیلی مرحلہ بیان ہو رہا ہے۔ ایک پوری طرح پختہ بنی ہوئی بندۂ مومن کی شخصیت کے خدوخال کیا ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ :-

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو!

وہ سختی کیا ہے؟ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (آیۃ ۶۳ الفرقان) اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ھیں اور جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ گفتگو کرتے ہیں تو وہ نہیں وہ دور سے سلام کہتے ہیں تو اس پورے رکوع میں اللہ نے اپنے محبوب اور پسندیدہ بندوں کے اوصاف گنوائے اور انہیں عباد الرحمٰن کا خطاب عطا فرمایا ہے۔ اس کے بعد سورۂ شعرآء آتی ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں "اُولُوالْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ" کا ذکر تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ ان میں سے قدرے زیادہ تفصیل کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کے حالات بیان ہوئے پھر حضرت ابراہیمؑ کے اور اس کے بعد جو ترتیب کہ عام طور پر مکی سورتوں میں ہوتی ہے یعنی حضرت نوحؑ پھر حضرت ہودؑ پھر حضرت صالحؑ پھر حضرت لوطؑ اور پھر حضرت شعیب علیہم السلام ان کے حالات میں خاص طور پر اسی پہلو کو واضح کیا گیا کہ یہ سب اللہ کی بندگی کی دعوت لے کر آئے کہ "اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ" اللہ کی پرستش کرو! اللہ کی بندگی اختیار کرو! اسی کی غلامی اختیار کرو! لیکن ان کی قوموں نے ان کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا لہٰذا وہ نیست و نابود کر دی گئیں، انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ ہر رسول کے حالات بیان کرنے کے بعد یہ الفاظ بار بار تکرار کے ساتھ آئے :-

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (آیت ۶۷، ۱۰۳، ۱۲۱، ۱۳۹، ۱۵۸، ۱۷۴، ۱۹۰، الشعراء) اس میں ایک نشانی ہے۔ لیکن اکثر لوگ ماننے والے نہیں تھے۔ ساتھ ہی اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک تسلی ہے، ایک تشفی ہے کہ حضورؐ آپ بھی دل گرفتہ نہ ہوں، ان کفار کے انجام سے غمگین اور ملول نہ ہوں، چنانچہ آغاز ہی میں اس سورہ مبارکہ میں یہ الفاظ آئے کہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ (آیت ۳، الشعراء) اے نبیؐ! کیا آپ اپنے آپ کو غم اور صدمے سے ہلاک کر لیں گے اگر وہ ایمان نہیں لا رہے ہیں تو آپ کو غمگین نہیں ہونا چاہیئے، یہ لوگ ماننے والے نہیں ھیں، یہ ان ہی قوموں کی روش پر چل رہے ہیں جن پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا رہا ہے اور اب یہ خود بھی اپنے طرزِ عمل سے اپنے آپ کو اس انجام کا مستحق بنا چکے ہیں۔ سورہ شعراء کے بعد سورۃ النمل وارد ہوتی ہے۔ اس میں بھی دوسری مکی سورتوں کی طرح آفاق وانفس کے شواھد فطرت کے محکم دلائل کی بنیاد پر توحید کی دعوت معاد یعنی آخرت کا اثبات اور نبوت و رسالت کو ماننے اور

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت وارد ہوئی ہے۔ اس میں حضرت داود علیہ السلام کا بھی ذکر ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کا بھی ذکر ہے اور ملکہ سبا کے ساتھ جو حالات و واقعات پیش آئے ان کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے اس کے ضمن میں ایک عظیم آیت وارد ہوئی کہ جب ملکہ سبا کے تخت کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک درباری نے چشم زدن میں یمن سے لاکر حضرت سلیمانؑ کے سامنے رکھوا دیا تو ان کی زبان پر یہ الفاظ آئے۔

ھٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ (آیت ۴۰، النمل) یہ میرے پروردگار کے فضل سے ہے۔ وہ مجھے آزما رہا ہے۔ کہ ان احسانات اور ان انعامات پر میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا نہیں کرتا؟ یہ الفاظ وہ ہیں کہ جن کو ہم نے اپنی بدعملی سے اور بدکرداری سے بدنام کر دیا ہے۔ چنانچہ حرام کی کمائی سے بنائی ہوئی عمارتوں پر ان الفاظ کو کندہ فرماتے ہیں۔ اہتمام کے ساتھ لکھواتے ہیں" ھٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ"

نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے اس طرز عمل سے نعوذ باللہ من ذلک قرآن مجید کے یہ الفاظ ہی گویا کہ ایک علامت بن گئے ہیں؛ ہماری منافقت کی اور ہماری بدکرداری کی۔ اللہ تعالی ہمیں اس سے بچائے اور حلال پر کاربند رہنے حلال پر اکتفا کرنے اور حرام سے اپنے دامن کو بچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۰
اَمَّنْ خَلَقَ

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ
ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ
قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ

(آیت ۶۰ سورۃ النمل)

قرآن مجید کا بیسواں پارہ "اَمَّنْ خَلَقَ" کے نام سے موسوم ہے اور اس میں پہلے سورۃ النمل کی بقیہ چونتیس آیات شامل ہیں پھر سورہ القصص مکمل اور آخر میں سورہ عنکبوت کی پہلی چوالیس آیات شامل ہیں۔ سورہ نمل کا جو حصہ اس پارے میں وارد ہوا ہے اس میں اکثر و بیشتر وہی مضامین، اسلوب اور انداز بیان کسی قدر فرق کے ساتھ وارد ہوئے ہیں جو اکثر مکی سورتوں میں آئے ہیں۔ یعنی آفاق و انفس کے شواہد اور دلائل فطرت سے توحید باری تعالیٰ معاد و آخرت اور نبوت و رسالت کا اثبات بالخصوص ایمان بالآخرت پر اس سورہ مبارکہ میں بہت زور دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں منکرین آخرت کے طرز عمل پر ایک بہت بھرپور تبصرہ کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:-

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ (آیت ۶۶، النمل)

ان لوگوں کا علم و فہم، ان کی دانش، ان کا شعور اور ان کی سمجھ سب تھک ہار کر رہ گئے۔ یعنی آخرت تک ان کی رسائی نہیں ہو پا رہی۔ آخرت کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں بلکہ وہ آخرت کے باب میں تو بالکل اندھے ہو گئے ہیں کہ انہیں بالکل نہیں سوجھ رہا کہ ان کی اصل زندگی وہ ہے جو موت کے بعد شروع ہوگی اور ان کا وہ انجام جس سے بہرحال ان کو دوچار ہو کر رہنا ہے آخرت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس کے بعد سورہ قصص وارد ہوتی ہے اس سورہ مبارکہ کا تقریباً نصف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس میں بالخصوص ان کے بچپن کے حالات عنفوان شباب کے حالات اور پھر ان کی زندگی کا وہ دور بھی جب کہ وہ نبوت سے سرفراز ہونے سے قبل فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے قتل یا تشدد کے اندیشہ سے مصر سے فرار ہو کر مدین پہنچے تھے۔ جب وہ مدین پہنچے تو بستی میں سے باہر ایک کنوئیں کے پاس بیٹھ گئے، اس حال میں کہ انتہائی درماندہ تھکے ہوئے ہیں اور ایک ایسی سرزمین میں جہاں کوئی جاننے پہچاننے والا نہیں، اس وقت ان پر جو احتیاج کی کیفیت تھی اس کی شدت کا اظہار ان الفاظ میں ہوا جو ان کی زبان پر دعا کی صورت میں وارد ہوئے۔

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۝ (آیت ۲۴۔ القصص)

اے رب میں ہر چیز کا محتاج ہوں جو بھلائی اور جو خیر بھی تو میری جھولی میں ڈال دے میں اس کا ضرورت مند ہوں۔ یہ ایک انسان اس کا جو معاملہ اپنے رب کے ساتھ ہونا چاہئے، احتیاج انکساری اور عاجزی کا جو انداز اسے اختیار کرنا چاہئے اس کی تعبیر کے لئے بہت ہی جامع الفاظ ہیں۔ سورہ قصص میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر بھی ہوا ہے جس کا نام قارون تھا اور جو بہت دولتمند تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کا غدّار تھا اگرچہ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا تھا، لیکن بنی اسرائیل پر ستم اور ظلم ڈھانے میں وہ فرعون اور آل فرعون کا آلۂ کار بنا ہوا تھا اور غالباً اسی وجہ سے حکومت وقت کی اس پر نگاہِ کرم تھی اور اسی بنا پر اس کے پاس اتنی بے اندازہ دولت جمع ہو گئی تھی کہ اس کے خزانے کی کنجیاں اٹھانے کے لئے بھی کئی تنومند لوگ درکار ہوتے تھے اس کے بارے

میں ایک بات تو یہ بیان ہوئی کہ جب بنی اسرائیل کے کچھ نیک دل لوگوں نے اس سے یہ کہا۔ "اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ" (آیت ۷۷، القصص) کہ اے اللہ کے بندے جس طرح خدا نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے تجھے دولت سے نوازا ہے تو بھی اللہ کی مخلوق سے بھلائی کر اور لوگوں کی احتیاجات دور کرنے کے لئے اپنی دولت خرچ کر۔ اس کا جواب اس نے انتہائی متکبرانہ انداز میں دیا کہ "اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ" (آیت ۷۸، القصص) میں نے یہ دولت اپنی ذہانت اور فطانت سے حاصل کی ہے، یہ میری محنت کا نتیجہ ہے اس کو میں نے اپنی کوششوں سے حاصل کیا ہے تو میں اسے دوسروں پر کیسے صرف کروں؟ یہ درحقیقت کسی بھی متکبر اور مغرور اور بر خود غلط شخص جس کے پاس دولت آگئی ہو، کی ذہنیت کی عکاسی کرنے والے الفاظ ہیں. ساتھ ہی ایک اور نقشہ بھی سامنے لایا گیا ہے. بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ اس کی دولت پر رشک کرتے تھے ان کے الفاظ نقل ہوئے ہیں. يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ (آیت ۹، القصص) کاش کہ ہمارے پاس بھی وہی کچھ ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے لیکن جب اللہ کی پکڑ قارون پر آئی اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا تو وہی لوگ جو کل تک تمنا کرتے تھے کہ کاش ہمارے پاس بھی قارون ہی کی طرح کی دولت ہوتی انہوں نے یہ الفاظ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل ہم پہ نہ ہوتا تو ہم بھی زمین میں دھنس گئے ہوتے. معلوم ہوا کہ لوگوں کو ظاہر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، مال و اسباب دنیوی درحقیقت اللہ کی رضا کی علامت نہیں ہیں. اللہ کبھی یہ چیزیں دے کر کسی کو آزماتا ہے اور جب وہ شخص ناکام ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی پکڑ اسے اسی دنیا میں ہی آلیتی ہے اور کبھی اس کا معاملہ آخرت کے لئے اٹھا رکھا جاتا ہے.

اس کے بعد مصحف میں سورہ العنکبوت آتی ہے. اس سورہ مبارکہ میں تمام تر خطاب کا رخ مسلمانوں کی طرف ہے اور اس کا اہم ترین مضمون یہ ہے کہ مسلمانو! مشکلات و مصائب اور شدائد و تکالیف سے دل برداشتہ نہ ہو یہ ہماری سنتِ سابقہ ہے. یہ ہمارا ہمیشہ کا طریقہ رہا ہے کہ جس نے بھی ایمان کا دعویٰ کیا ہے ہم نے اسے آزمایا ہے. یہ آزمائش اس راہ میں لازمی شے ہے. اس لئے کہ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کون

واقعی مومن ہے اور کون جھوٹ موٹ کا مومن بنا پھرتا ہے. فرمایا:۔
اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ‏ (آیت ۲، العنکبوت)
کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے صرف یہ کہنے پر کہ وہ ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا۔ وَلَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ (آیت ۳، العنکبوت) حالانکہ ہم نے ہمیشہ آزمایا ہے ان کو جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں" فَلَيَـعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡكٰذِبِيۡنَ‏ (آیت ۳، ایضاً) اور اللہ تعالیٰ تو بالکل کھول کر رکھ دے گا کہ کون سچے ہیں اپنے دعویٰ ایمان میں اور کون جھوٹے ہیں۔ آگے چل کر اسی بات کو اور کھول دیا گیا۔ وَلَيَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ‏ (آیت ۱۱، العنکبوت) اور اللہ تعالےٰ بالکل کھول کر رکھ دے گا کہ کون ہے مومن صادق اپنے دعویٰ ایمان میں اور کون ہے منافق۔ اہل ایمان مومنین صادقین اور منافقین کے مابین امتیاز انہی آزمائشوں کے طفیل ممکن ہے۔ اسی سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی جدا ہو سکتا ہے اس سورہ مبارکہ میں قصص الانبیاء (رسل) بھی بیان ہوئے۔ لیکن ان میں بھی اصل پہلو یہی ہے کہ مسلمانوں کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ جس راستے پر تم چل رہے ہو یہ پھولوں بھرا راستہ کبھی نہ تھا۔ یہ ہمیشہ کانٹوں سے بھرا رہا ہے۔ ہمارے نبیوں نے ہمارے رسولوں نے صبر واستقامت کا معاملہ کیا ہے، انہوں نے ان میں سے مثلاً حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک دعوت دی اس کے باوجود ان پر ایمان لانے والوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جانے والی تھی۔ معلوم ہوا کہ اس راہ پر صبر و ثبات کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے چلے جانا یہ ہے انبیاء کرام اور ان کے ماننے والوں کا فرض لازم اور فرض منصبی نتائج کو اللہ کے حوالے کرنا چاہئے، اور اس راہ کے شدائد و مصائب اور آزمائشوں سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہئے۔

۲۱
اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى
عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (آیۃ ۴۵ العنکبوت)

قرآن حکیم کا اکیسواں[۲۱] پارہ ''اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ'' کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس میں ابتداً سورۃ العنکبوت کی بقیہ پچیس آیات ہیں۔ پھر سورہ روم اور پھر سورہ لقمان پھر سورۃ السجدہ اور آخر میں سورہ احزاب کی ابتدائی تیس آیات ہیں۔ سورہ العنکبوت نبی اکرمؐ پر سن چار یا پانچ نبوی میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب مکہ کی سرزمین میں اہل ایمان شدید مسائل سے دوچار تھے اور کفار و مشرکین انہیں ہر ممکن طریقے سے ستا رہے تھے۔ ان شدائد و مصائب میں اہل ایمان کو جو خصوصی ہدایات دی گئی ہیں وہ سورۃ العنکبوت کے اس حصے میں ہیں جو اس پارے میں شامل ہے۔ سب سے پہلی ہدایت یہ ہے کہ: اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (آیت ۴۵ العنکبوت) تلاوت کیا کرو اس کی کہ جو نازل کی گئی تمہاری طرف کتاب الٰہی اور نماز کو قائم رکھو، نماز فحش بے حیائی

اور برائی کے کاموں سے روکنے والی ہے، اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے، یعنی اس راہ میں صبر و ثبات اور استقامت کے لئے بندہ مومن کا اصل ہتھیار اللہ کا ذکر ہے۔ اسی کے ذریعہ اسے وہ ہمت مل سکتی ہے جس سے وہ شدید ترین حالات میں بھی ثابت قدم رہے۔ ایک دوسری ہدایت یہ دی گئی۔ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (آیت ۴۶، العنکبوت) اہل کتاب سے اگر کہیں مناظرے یا بحث کی صورت پیدا ہو تو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ کرو اور بڑی ہی نرمی کے ساتھ انہیں ایمان کی دعوت دو اور اپنا دین ان کے سامنے پیش کرو۔

ایک تیسری ہدایت یہ دی گئی بلکہ راہنمائی فرمائی گئی کہ:۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ (آیت ۵۶، العنکبوت) اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو میری زمین بہت کشادہ ہے، بس تم صرف میری ہی بندگی کرو، یعنی اگر مکے کی سرزمین تم پر تنگ کر دی گئی ہے اور یہاں رہتے ہوئے تمہارے لئے خدائے واحد کی پرستش ناممکن بنا دی گئی ہے تو اس سرزمین کو چھوڑ کر تم کسی طرف ہجرت کو جاؤ تم اللہ کی زمین کو بہت کشادہ پاؤ گے۔ یہ درحقیقت تمہید تھی ہجرت حبشہ کی۔ اس سورہ مبارکہ کی آخری آیت بھی اس راہ کے مسافروں کے لئے راہ حق کے مسافروں اور اللہ تعالےٰ کے طالبوں کے لئے بہت ہی دل خوش کن ہے اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے بڑا موکد وعدہ فرمایا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (آیت ۶۹، العنکبوت) جو لوگ ہماری راہ میں محنت کریں گے، کوشش کریں گے، جدوجہد کریں گے، مجاہدہ کریں گے وہ مطمئن رہیں کہ ہمارا پختہ وعدہ ہے ان کے ساتھ، ہم ان کے لئے اپنے راستے کھولتے چلے جائیں گے۔ اگر کسی وقت کوئی مشکل نظر آئے تو ہراساں نہ ہو، ہمت نہ چھوڑیں اس لئے کہ اس مشکل کے اور جیسا کہ فرمایا آخری پارے میں فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ (آیت نمبر ۵، ۶، انشراح) مشکل وقت میں اگر ثابت قدم رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانیاں بھی پیدا فرما دے گا۔ سورہ عنکبوت کے بعد قرآن مجید میں تین سورتیں اور ہیں جو سورہ عنکبوت ہی کی طرح الٓمٓ کے حروف

مقطعات سے شروع ہوتی ہیں اور ان کے مضامین میں بڑی مشابہت ہے۔ سورہ الروم کا آغاز ایک پیشین گوئی سے ہوتا ہے۔ مملکت روم اور سلطنت ایران کے درمیان کئی سو سال سے ایک کشمکش چلی آ رہی تھی، کبھی سلطنت روم کا پلڑا بھاری ہو جاتا تھا اور کبھی حکومت ایران کا۔ اس وقت کے جب سورہ عنکبوت نازل ہو رہی تھی اور مکے کی سرزمین میں مسلمانوں کو تنگ کیا جا رہا تھا، صورت حال ایسی پیدا ہوئی کہ ایران کو روم پر فتح حاصل ہو گئی۔ اہل ایمان اپنے آپ کو رومیوں سے قریب تر سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ رومی بہر حال اہل کتاب تھے اور مشرکین اپنے آپ کو ایرانیوں کے قریب سمجھتے تھے اس لئے کہ وہ بھی مشرک تھے آتش پرست، یہ بھی مشرک تھے اصنام پرست اس لئے مسلمانوں کو وقتی طور پر دل شکستگی کا سامنا ہوا۔ انہیں یہ نوید جانفزا دی گئی کہ اگرچہ قریب کی سرزمین میں فی الوقت روم مغلوب ہو گیا ہے

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ (آیۃ ۲ تا ۴ الروم) اہل روم مغلوب ہو گئے نزدیک کے ملک میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آ جائیں گے، چند ہی سالوں میں انہیں دوبارہ غلبہ حاصل ہو گا۔ چنانچہ قرآن مجید کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی اور عین اس وقت جب بدر کی زمین پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی، رومیوں کو بھی ایرانیوں پر ایک فیصلہ کن فتح عطا فرمائی۔ سورہ روم کی ایک اور آیت بھی بہت قابل توجہ ہے:۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ ؕ (آیت ۴۱، الروم) دنیا میں جب بھی کوئی فساد رونما ہوتا ہے، بحر و بر میں اگر فساد کا ظہور ہوتا ہے تو یہ سب انسانوں کی اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فساد کی حوصلہ افزائی بھی نہیں فرماتا، لیکن اگر انسان غلط روی ہی کو اختیار کر لیں اور اسی پر اڑے رہیں، فطرت کی راہ کو چھوڑ کر عقل سلیم کی راہ کو چھوڑ کر غلط راہ اختیار کر لیں تو اس زمین میں فساد ہو جاتا ہے اور اس کا اصل سبب انسانوں کی اپنی بداعمالیاں ہیں۔ اس کے بعد سورہ لقمان آتی ہے۔ یہ سورہ مبارکہ بھی تمام مکی سورتوں کے مضامین سے مشابہ ہے۔ اس میں ایک خاص بات یہ ہے کہ عرب کی ایک قدیم شخصیت کا ذکر ہوا۔ حضرت لقمان کا جن کے بارے میں تقریباً اجماع ہے کہ وہ حبشی النسل تھے اور پیشے کے اعتبار

سے بڑھئی تھے لیکن اللہ کی دَین ہے اللہ نے ان کو عقل اور دانائی عطا فرمائی۔ حکمت و دانش سے
سے نوازا۔ ان کی نصیحتیں سورہ لقمان کے دوسرے رکوع میں نقل فرمائی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ
نے ان کی وہ قدر افزائی کی کہ تاقیام قیامت ان کا ذکر اپنے کلام پاک میں زندہ و جاوید کر دیا۔ ان
کی نصیحتوں میں اولین یہی تھی۔ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ
(آیت ۱۳، لقمان) اے میرے بچے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیجیو، اس لئے کہ شرک بہت بڑا ظلم اور
بہت بڑی ناانصافی ہے۔ حضرت لقمان کے یہ نصائح واقعتاً آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں اور
نوجوانوں کی رہنمائی کے لئے بہت بڑا سامان اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس کے بعد مصحف میں سورۂ سجدہ آئی۔
یہ سورہ مبارکہ بڑی ہی پُرہیبت اور پرجلال انداز کی حامل ہے۔ شاید یہی سبب ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہی تھا کہ جمعہ کے روز فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں سورہ سجدہ کی تلاوت
فرمایا کرتے تھے اس سورہ مبارکہ میں اللہ کی تخلیقی شان کا ذکر ہوا:۔
اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ (آیت ۷، السجدہ) اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے
بہترین انداز میں پیدا فرمایا ہے، ہر چیز جو تخلیق فرمائی ہے بہترین ساخت پر تخلیق فرمائی اور
انسان کی تخلیق کا آغاز مٹی سے کیا۔ سورہ سجدہ کے بعد قرآن مجید میں سورہ احزاب ہے اس
کا جو حصہ اس پارے میں شامل ہے، اس میں سب سے اہم ذکر غزوۂ احزاب کا ہے، یہ سن پانچ
ہجری میں واقع ہوا، اور واقعہ یہ ہے کہ اہل ایمان کے لئے شدید ترین مصائب کا دور اور شدید
ترین آزمائش کا مرحلہ ہے۔ لگ بھگ بارہ ہزار کا لشکر مدینہ کے گرد محاصرہ کئے ہوئے پڑا تھا جس میں
یہودی بھی تھے قریش مکہ بھی تھے قبائل غطفان بھی تھے گویا کہ ہر چہار طرف سے کفر کی ساری قوتیں امڈ
کر آ گئی تھیں اور ایسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ایک چراغ ہے جو جل رہا ہے اور جھکڑ چل رہے ہوں
اسے بجھانے کے لئے اس وقت اہل ایمان کی آزمائش ہو گئی، چنانچہ منافقین کے دل کا روگ ان کی زبان پر
آگیا، انہوں نے یہ الفاظ کہے" مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا (آیت ۱۲، الاحزاب)
ہم سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے جھوٹے وعدے کئے ہیں سبز باغ دکھائے ہم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ قیصر و

کسریٰ کی حکومتیں ہمارے قدموں میں ہوں گی۔ اور حال ہمارا یہ ہے کہ قضائے حاجت کے لئے بھی باہر نہیں نکل سکتے۔ اس کے برعکس قول تھا اہل ایمان کا۔ انہوں نے کہا:-

هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (آیت ۲۲، الاحزاب) یہی تو ہے جس کا وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے بالکل سچ کہا تھا اللہ نے بھی اس کے رسولؐ نے بھی۔ اہل ایمان کی نگاہ تھی اس تنبیہ کی طرف جو ہجرت کے فوراً بعد سورہ بقرہ میں وارد ہو چکی تھی:-

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ (آیت ۱۵۵، البقرہ) لہٰذا انہوں نے اس شدید آزمائش کو دیکھ کر فوراً کہا کہ یہی ہے کہ جس کی خبر ہمیں دی گئی تھی۔ اس سورہ مبارکہ میں وہ آیت بھی وارد ہوئی ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (آیت ۲۱، الاحزاب) اے اہل ایمان تمہارے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت و سیرت میں ایک انتہائی تابناک اور ایک انتہائی کامل نمونہ موجود ہے، اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات سے گفتگو شروع ہوتی ہے لیکن اس گفتگو کا اکثر حصہ اس سورہ کی ان آیات میں ہے کہ جو اگلے پارے میں آئیں گی۔

۲۲

وَمَنْ يَّقْنُتْ

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ
وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا
تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ (آیۃ ۳۱، ۳۲ الاحزاب)

قرآن مجید کا بائیسواں ۲۲ پارہ "وَمَنْ يَّقْنُتْ" کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس میں اولاً سورہ احزاب کی بقیہ تینتالیس آیات شامل ہیں۔ پھر سورہ سبا اور پھر سورہ فاطر اور آخر میں سورہ یٰسٓ کی اکیس آیات۔ سورہ احزاب کا جو حصہ اس پارے میں ہے اس میں اکثر و بیشتر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن یعنی امت مسلمہ کی ماؤں سے خطاب ہے اور درحقیقت ان کی وساطت سے ہدایات دی گئی ہیں تمام مسلمان خواتین کو چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں بھی سورہ نور ہی کی طرح اسلامی تہذیب و تمدن بالخصوص مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کے متعلق بڑی تفصیلی ہدایات ہمیں ملتی ہیں۔ آنحضور کی ازواج مطہرات سے ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ (آیت ۳۳ الاحزاب)

اے نبیؐ کے گھر والو! اللہ یہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر گندگی کو ہر برائی کو ہر نجاست کو دور کر دے اور تمہیں پاک کر دے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔ چنانچہ یہ احکام جو دیئے جا رہے ہیں، یہ

درحقیقت تمہیں کسی تنگی میں ڈالنے کے لئے نہیں بلکہ اسلامی معاشرے کو برائی سے اور فحش سے اور بدکاری سے پاک کرنے کے لئے ہیں۔ چنانچہ اس سورہ مبارکہ میں ازواج مطہرات حضورؐ کی بنات اور عام مسلمانوں کو حکم ہوا۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ (آیت ۵۹، الاحزاب) اے نبیؐ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مومنین کی بیویوں سے کہدو کہ اگر انہیں کبھی کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکلنا پڑے تو انہیں چاہیے کہ اپنی بڑی چادریں جو ہیں سامنے لٹکا لیا کریں

گویا کہ پردے کا حکم دیا جا رہا ہے اسی طرح اسی سورہ میں مسلمانوں کو حکم ہوا کہ اگر کبھی نبیؐ کی ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ (آیت ۵۳، الاحزاب)، آیہ مبارکہ میں جو لفظ حجاب وارد ہوا ہے۔ اس پر غور کرنا چاہئے ان لوگوں کو جنہیں یہ مغالطہ لاحق ہوگیا ہے کہ قرآن مجید میں پردے کا حکم نہیں ہے۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کی تہذیبی زندگی اور معاشرتی زندگی کے بارے میں تفصیلی احکام دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سورہ مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان بھی بڑی جامعیت کے ساتھ بیان ہوئی۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۙ وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا (آیت ۴۵، ۴۶، الاحزاب) اے نبیؐ ہم نے آپ کو بھیجا ہے گواہ بنا کر اللہ کی توحید کا گواہ، حق و صداقت اور عدل و راستی کا گواہ اور مبشر بنا کر، بشارت دینے والا راستبازوں کو، اور نذیر بنا کر خبردار کردینے والا کج روؤں کو اور غلط روی اختیار کرنے والوں کو اور "داعیا الی اللہ" اللہ کی طرف بلانے والا "سراجاً منیرا" اور ہدایت کا ایک روشن چراغ بنا کر۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان ان پانچ الفاظ میں واقعتاً بڑی جامعیت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ اسی سورہ مبارکہ میں حضورؐ کی ختم نبوت کا اعلان بھی ہوا ہے۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ (آیت ۴۰، الاحزاب) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ اللہ نے آپؐ کو بیٹیاں تو دی ہیں لیکن مسلمانوں میں سے کوئی مرد آپؐ کا بیٹا نہیں

ہے۔ حضرت زیدؓ آپؐ کے منہ بولے بیٹے ضرور تھے لیکن ان کو دین میں اور شریعت میں بیٹے کا مقام حاصل نہیں ہے۔ وہ تو اللہ کے رسولؐ ہیں۔ دین کی تکمیل اور اتمام کے لئے تشریف لائے ہیں اور نبوت کے دروازے پر جو کہ اب انؐ کی آمد پر بند ہو چکا ہے۔ اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ اس سورہ مبارکہ کا اختتام بھی بڑے جامع الفاظ میں ہوا ہے

یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ہ (آیت ۷۰، الاحزاب)

اے اہل ایمان اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنی زبان کی محافظت کرو کہ اس سے کوئی غلط بات نہ نکلنے پائے اس سے وہی بات نکلے جو درست ہو اور صحیح ہو، اس کے نتیجے میں اللہ تمہارے عمل کو بھی درست کر دے گا اس کے اخیر میں یہ بھی فرمایا کہ اے انسانو! تم ایک عظیم امانت الٰہی کے حامل ہو وہ امانت کہ جس کی عظمت کا عالم یہ ہے کہ:۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ (آیۃ ۷۲، الاحزاب)

وہ امانت کہ جس کو نہ پہاڑ اٹھا سکے نہ آسمان نہ زمین یہ وہ امانت ہے کہ:

ع۔ قرعہ فال بنامِ منِ دیوانہ زوند

وہ روح ربانی اس انسان میں اس کے خاکی پتلے میں پھونکی گئی ہے انسان کو اپنا مقام پہچاننا چاہئے۔ جیسے علامہ اقبالؒ نے کہا۔ ع

اپنی خودی پہچان او غافل انسان!

اس کے بعد سورہ سبا میں اور سورہ فاطر میں اکثر و بیشتر وہی مضامین جو اکثر مکی سورتوں میں وارد ہوئے ہیں، اسلوب اور انداز بیان کے معمولی فرق کے ساتھ وارد ہوئے ہیں۔ وہی توحید کی دعوت وہی معاد یعنی آخرت کا اثبات وہی نبوت اور رسالت کا اثبات سورہ سبا میں حضرت داؤد علیہ السلام کا بھی ذکر ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کا بھی ذکر ہے مزید برآں سیل ارم کے واقعات بیان ہوئے ہیں وہ سیلاب جو آبپاشی کے لئے تعمیر شدہ ایک بڑے بند کے ٹوٹنے سے یمن کی سرزمین میں آیا، اور جس کے بعد وہاں ایک بڑی عظیم

ہلاکت سے لوگ دوچار ہوئے اور وہ زمین ویران ہو کر رہ گئی۔ اس کے بعد قرآن مجید میں سورہ فاطر وارد ہوئی ہے اور اس کے بعد سورہ یٰسٓ آتی ہے۔ جسے نبی اکرمؐ نے قرآن مجید کا دل قرار دیا ہے۔ یہ سورہ مبارکہ کہ جس کا اکثر حصہ تو اگلے پارہ میں ہے۔ اس کا آغاز ہوتا ہے:۔ یٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ (آیت ۱تا۳، سورہ یٰسٓ) قسم ہے قرآن حکمت والے کی۔ یہ قرآن بڑی ہی حکمت کی حامل کتاب ہے۔ اس کے مضامین بڑے محکم ہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے سورہ ہود کے آغاز میں فرمایا گیا۔ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ (آیت ۲، سورہ ہود) یہ حکمت والا قرآن گواہ ہے اس پر۔ قرآن مجید میں قسمیں جو کھائی گئی ہیں تو ان کا مدعا بالعموم گواہی کا ہے۔ کہ گواہ ہے قرآن مجید "اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ" اے محمدؐ! آپ یقیناً اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ نبیؐ اکرم کا عظیم ترین معجزہ قرآن حکیم ہے۔ آپؐ کی نبوت اور رسالت کا سب سے بڑا ثبوت قرآن حکیم ہے۔ سابق انبیا کو بھی بڑے بڑے معجزے دیئے گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا کا معجزہ، ید بیضا کا معجزہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بڑے بڑے معجزے احیائے موتی کا معجزہ۔ مُردوں کو زندہ کر دینا۔ پرندے بنانے اور ان میں پھونک مارنے سے ان کا اڑتے ہوئے پرندوں کی شکل اختیار کر لینا بڑے عظیم معجزات ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ سب ہیچ ہیں قرآن حکیم کے مقابلے میں۔ اس لئے کہ وہ تمام معجزات صرف ان رسولوں کی زندگیوں تک تھے۔ جنہیں وہ عطا کئے گئے اور یہ معجزہ جو محمدؐ عربی کو عطا کیا گیا وہ قائم و دائم ہے تا قیام قیامت رہنے والا ہے۔ تا قیامت ہی نہیں بلکہ ابد الآباد تک کے لئے ہے۔ اس لئے کہ روایات میں آتا ہے کہ اہل جنت سے اللہ تعالیٰ قرآن حکیم سنیں گے اور فرمائیں گے قرآن کے پڑھنے والوں سے کہ قرآن پڑھو اور بلند سے بلند مراتب کی طرف ترقی کرتے چلے جاؤ۔ تمہارا آخری قیام وہ ہوگا جہاں تم قرآن مجید کی آخری آیت پڑھو گے تو واقعہ یہ ہے کہ ہمیں قرآن مجید کی عظمت کو پہچاننا چاہئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کا زندہ جاوید ثبوت ہے۔

۲۳
وَمَالِیَ

وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ
اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْــًٔا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ۝ اِنِّیْۤ
اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (آیۃ ۲۲ تا ۲۴ سورہ یٰسٓ)

قرآن مجید کا ۲۳ واں پارہ "وَمَالِیَ" کے نام سے موسوم ہے اور اس میں اولاً اکثر حصہ سورہ یٰسٓ کا شامل ہے یعنی باسٹھ آیات۔ پھر سورہ الصّٰفّٰت" اور سورہ "صٓ" مکمل شامل ہے اور آخر میں "الزمر" کی اکتیس آیات۔ سورہ یٰسٓ کو نبی اکرمؐ نے قرآن حکیم کا دل قرار دیا ہے۔ اس کی قطعی اور حتمی بنیاد تو اللہ اور اس کے رسولؐ ہی کے علم میں ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس سورہ کو پڑھتے ہوئے اس کے "ردہم" میں ایک خاص کیفیت کا احساس ہوتا ہے جو ایک دھڑکتے ہوئے دل سے بہت مشابہ ہے اس سورہ مبارکہ میں توحید اور معاد اور رسالت کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ دو اہم سائنسی حقائق کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے مثلاً ایک علم فلکیات سے متعلق کہ سورج اور چاند کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا "وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝ (آیت ۴۰، یٰسٓ) یعنی یہ تمام اجرام سماویہ اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں اور ان کی گردش کسی تیرنے والے سے بہت مشابہت رکھتی ہے۔ اسی طرح علم حیاتیات کی اہم حقیقت کہ "وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ" (آیت ۶۸، یٰسٓ) ایک خاص عمر کے بعد جب عمر میں اضافہ ہوتا ہے تو جسم میں تخریبی عمل

بڑھتا جاتا ہے اور تعمیری عمل کم ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک وقت وہ بھی آتا ہے "لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا" (آیت ۷۰، النحل) کہ بڑے بڑے ذہین وفطین لوگ بھی عمر کی ایک حد پر آکر گویا کہ اپنے اس تمام علم اور ذہانت اور متانت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ سورہ الصّٰفّٰت اور سورہ صٓ، ان دونوں میں سورہ مریم اور سورہ انبیاء کے مانند انبیائے کرام کا ذکر ہے اور یہ ذکر یہاں بھی حضرات انبیاء کرام کی شخصی عظمتوں اور ان کے کردار کی رفعتوں کے اعتبار سے آیا ہے چنانچہ الصّٰفّٰت میں حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر کے بعد تفصیل کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس حجت کا ذکر ہوا جو انہوں نے اپنی قوم پر قائم کی ان کی بت پرستی کے خلاف یہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی بعثت جس قوم میں ہوئی، اس میں تین قسم کے مشرک موجود تھے۔ ستارہ پرستی بھی تھی، بت پرستی بھی تھی اور شاہ پرستی بھی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور ان تینوں قسم کی پرستشوں پر بڑی کاری ضرب لگائی ستارہ پرستی پر جو ضرب انہوں نے لگائی اس کا بیان سورہ انعام میں ہے۔ شاہ پرستی پر جو ضرب لگائی اس کا بیان سورہ بقرہ میں ہے اور ان کی بت پرستی پر جو کاری وار حضرت ابراہیمؑ نے کیا اس کا ذکر ہے کہ ایک بڑی پوجا کے موقع پر جبکہ شہر کی تقریباً تمام آبادی کہیں باہر چلی گئی تھی۔ حضرت ابراہیم کسی عذر کی وجہ سے شہر ہی میں مقیم رہے اور بعد میں موقع پاکر ان کے بڑے بت خانے میں گھس گئے اور انہوں نے تمام بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا سوائے سب سے بڑے بت کے۔ اور وہ تیشہ کہ جس سے آپؑ نے تمام بتوں کو توڑا تھا وہ اس بڑے بت کی گردن میں حمائل کر دیا اور جب لوگ واپس آئے اور ایک تہلکہ مچ گیا۔ لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پرسش کی تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اس بڑے سے پوچھو جس کی گردن میں یہ تیشہ بھی لٹکا ہوا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس کا جواب صرف ایک ہی ہو سکتا تھا کہ تم جانتے ہو کہ یہ تو نہ بول سکتے ہیں اور نہ جواب دے سکتے ہیں، اب یہ موقع تھا حضرت ابراہیمؑ کا کہ انہوں نے فرمایا " اف ہے تم پر اور تف ہے تم پر کہ تم ان کو پوجتے ہو جو نہ اپنی مدافعت کر سکیں نہ سن سکیں، نہ بول سکیں۔ قوم کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ ایک مرتبہ تو خاموش

ہوئی لیکن پھر وہ حضرت ابراہیمؑ پرتشدد کرنے پر آمادہ ہوگئی۔ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کے آخری دور کا وہ واقعہ بھی اس سورہ مبارکہ میں نقل ہوا جو ان کے امتحانات میں سے سب سے کڑا اور سب سے آخری امتحان تھا۔ لگ بھگ ستاسی برس کی عمر میں اللہ سے دعائیں کر کر کے حضرت اسماعیلؑ جیسا بیٹا حاصل ہوا لیکن جب وہ بیٹا تیرہ برس کا ہوا اور باپ کے ساتھ بھاگ دوڑ کے قابل ہوا تو اللہ کا حکم ہوا کہ اس بیٹے کو ہمارے نام پر ذبح کر دو۔ چنانچہ یہاں حضرت ابراہیمؑ کی دعا بھی نقل ہوئی ہے۔

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ ۝ (آیت ۱۰۰، ۱۰۱، الصّٰفّٰت) ہم نے انہیں ایک صاحب حلم بیٹے کی بشارت دی۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيٓ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۚ (آیت ۱۰۲، الصّٰفّٰت) جب وہ ان کے ساتھ بھاگ دوڑ کے قابل ہوا تو انہوں نے کہا کہ اے میرے بچے میں تو خواب میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، اب سوچو کہ تمہاری رائے کیا ہے؟ اس سعادت مند بیٹے کا جواب تھا۔

قَالَ يٰٓأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِيٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِينَ ۝ (آیت ایضاً الصّٰفّٰت) ابا جان کر گزریئے جس کا حکم آپ کو ہوا ہے۔ آپ انشاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے:-

فَلَمَّآ أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۝ وَنٰدَيْنٰهُ أَنْ يّٰٓإِبْرٰهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِينُ ۝

(آیت ۱۰۲ تا ۱۰۶، الصّٰفّٰت) اور جب باپ بیٹا دونوں اللہ کے حکم کی تعمیل پر آمادہ ہو گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیلؑ کو پیشانی کے بل گرا دیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی۔ اے ابراہیمؑ! تم نے اپنے خواب کو سچا کر دیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑا امتحان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کا امتحان لیا جا رہا ہو اس کی کامیابی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ خود ممتحن یہ کہے کہ یہ امتحان واقعی بڑا کڑا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ زندگی بھر جن امتحانات سے دوچار رہے اور جن سے کامیابی سے گزرتے رہے ان میں سے یہ آخری امتحان واقعتاً بڑا سخت تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیاب قرار دیا۔

سورہ صٓ کا آغاز صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔

قسم ہے قرآن کی جو ذکرا ورموعظت اور نصیحت کا حامل ہے۔ اس لئے کہ یہ قرآن مجید کی خود اپنی حقانیت اور صداقت پر بھی سب سے بڑی دلیل ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی سب سے بڑی برہان ہے۔ اس سورہ مبارکہ کے آخر میں وہ مضمون دوبارہ آیا جو اس سے پہلے چودھویں پارہ میں سورہ حجر میں آچکا ہے یعنی، حضرت آدم کی عظمت کی اصل بنیاد یہ ہے کہ ان کے خاکی جسد میں روح ربانی پھونکی گئی:۔

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ (آیۃ ۷۲، ص)

آخر میں سورہ الزمر کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ سورہ مبارکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کی نہایت عظیم سورتوں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے اور یہ بڑی جامع تمہید ہے ان سات سورتوں کے لئے جو اس کے بعد آئی ہیں اور جن کا آغاز ہوتا ہے "حٰمٓ" کے حروف مقطعات سے۔ اس سورہ مبارکہ کا مرکزی مضمون ہے خدائے واحد کی اطاعت اور اطاعت کامل، ایسی اطاعت کہ جس میں کسی طرح کا کوئی کھوٹ شامل نہ ہو۔ چنانچہ اس کا آغاز ہی ہوا ان الفاظ سے:۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۝ (آیت ۲، الزمر)

اے نبیؐ ہم نے یہ کتاب قرآن مجید آپ پر حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے۔ پس بندگی اور پرستش اور اطاعت کرو اللہ کی، اپنی کل اطاعت کو صرف اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ آگے فرمایا:۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ؕ (آیت ۳، الزمر) آگاہ ہو جاؤ اطاعت تو کل کی کل اور خالصتاً اللہ کے لئے ہے۔ مزید فرمایا اے نبیؐ اعلان کر دیجئے:۔ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۝ (آیت ۱۱، الزمر) مجھے تو اپنے رب کی طرف سے اس کا حکم ملا ہے کہ میں اس کی بندگی کروں اور پرستش کروں اور اطاعت کروں کُل کی کُل اطاعت کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے، اس لئے کہ یہی درحقیقت دین اسلام کا اصل تقاضا ہے یہی درحقیقت عبادت کا اصل تقاضا ہے، یہی وہ توحیدی عمل ہے کہ جس کی دعوت کے لئے تمام انبیا کرام تشریف لاتے رہے۔

۲۴

فَمَنْ اَظْلَمُ

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (آیۃ ۳۲، ۳۳، الزمر)

قرآن مجید کا چوبیسواں[۲۴] پارہ "فَمَنْ اَظْلَمُ" کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں ابتداً سورہ الزمر کی چوالیس آیات شامل ہیں پھر سورہ مومن مکمل اور آخر میں سورہ حٰمٓ السجدہ کی چھیالیس آیات۔ سورہ الزّمر کا جو حصہ اس پارے میں شامل ہے اس کے بالکل آغاز میں انبیاء کرام ؑ اور صدیقین عظام کی شخصیتوں کا یہ پہلو بیان ہوا ہے کہ سچ، راستی اور صداقت ان کی سیرتوں کے اہم ترین اجزاء کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ (آیت ۳۳۔ الزمر) صداقت کا پیغام لانے والے انبیاء کرام ؑ ہیں اور اس سچائی کی تصدیق میں پیش قدمی کرنے والے صدیقین عظام ہیں۔ ایک اور بات جو توحید کا لب لباب اس کا اصل حاصل قرار دی جاسکتی ہے یہ ہے کہ فرمایا۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (آیت ۳۶، الزمر) کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے۔ بندے کا یہ اطمینان اور یہ یقین کہ میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ میرا حامی و ناصر ہے۔ وہ میرا مددگار ہے، وہ میرا حاجت روا ہے اور میرا مشکل کشا ہے، وہ میرا روزی رساں ہے، جتنا یہ یقین پختہ ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی درحقیقت دین کی اصل رُوح اور عبادت کی اصل چاشنی

سے اس انسان کو اس کا حصہ ملتا چلا جائے گا۔ سورہ الزمر کا اختتام بڑی عظیم آیات پر ہوا ہے توحید خالص کی جس دعوت سے اس سورہ مبارکہ کا آغاز ہوا تھا اسی پر انتہائی پر ہیبت اور پر جلال انداز میں اختتام ہوا۔ قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونِّي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ ٥ (آیت ۶۴، الزمر) اے جاہلو! اے نادانو! اے حرص و ہوا کے بندو! کیا تم مجھ سے بھی یہ چاہتے ہو کہ میں خدا کے سوا کسی اور کی پرستش کرنے لگوں۔ کیا میرے بارے میں بھی تمہارا یہ گمان ہے کہ میں شرک میں ملوث ہو جاؤں گا۔ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ٥ (آیت ۶۵، الزمر) حالانکہ اے نبیؐ آپ پر وحی کر دیا گیا ہے اور یہ بات بالکل کھول دی گئی ہے، واضح کر دی گئی ہے کہ اگر بالفرض آپؐ بھی شرک میں ملوث ہو گئے تو یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ آپؐ کے بھی تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپؐ بھی خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اس کے بعد قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ بعث بعد الموت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، میدان حشر میں جہاں گواہیاں پیش ہوں گی۔ انبیاء و صدیقین و شہدا کھڑے ہوں گے امتوں کے خلاف گواہی دینے کے لئے، اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس پورے حساب کتاب اور محاسبے کے بعد انجام کار کے طور پر جب انسانوں کو جنت یا دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا تو اس کا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے۔ فرمایا:

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا (آیت ۷۱، الزمر) وہ لوگ کہ جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی تھی، وہ گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے جہنم کی طرف وہاں جو داروغہ ہے جہنم کا وہ ان سے سوال کرے گا کیا تمہارے پاس وہ نبی نہ آئے تھے جو تمہیں اللہ کی آیات سناتے تھے اور تمہیں آج کے اس دن سے ڈراتے تھے؟ تو وہ کافر جواب دیں گے یقیناً آئے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی بات ہمارے حق میں کامل اور ثابت ہو کر رہی اور ہم اپنی اس بدکرداری کی وجہ سے اس بدانجام کو پہنچ کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس معاملہ ہوگا اہل تقویٰ کا۔ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ٥ (آیت ۷۳، الزمر) اور وہ لوگ جو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کئے رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر زندگی گزاری ان کو لے جایا جائے گا۔ جنت کی طرف اور وہاں داروغہ جنت ان کو تحیۃ اور مبارکباد کے ساتھ اور سلامتی کے ساتھ ان کا استقبال کرے گا۔ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ٥ (آیت ۷۳، الزمر)

اور آخر میں نقشہ کھینچا گیا ہے یوں سمجھئے کہ اس پورے معاملے کا ڈراپ سین ہو گا جب کہ ملائکہ عرش خداوندی کے گرد طواف کرتے ہوئے "وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آیت ۷۵، الزمر) حمد و ستائش کے ترانے اللہ واحد کے لئے، تمام جہانوں کے پروردگار کے لئے الاپ رہے ہوں گے.

سورہ الزمر کے بعد مصحف میں سورہ مومن آتی ہے یہ سلسلۂ حوامیم کی پہلی سورۃ ہے اور ہر اعتبار سے اہم ترین اور جامع ترین سورہ ہے. اس کا نام سورۃ الغافر بھی ہے اس لئے کہ اس کے بالکل آغاز میں اللہ تعالیٰ کی یہ شان بیان ہوئی ہے. غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۝ (آیت ۳، المومن) وہ گناہوں کا بخشنے والا بھی ہے توبہ کا قبول فرمانے والا بھی ہے لیکن ساتھ ہی وہ سخت سزا دینے والا بھی ہے. اور اسے پوری مقدرت حاصل ہے، پوری قدرت حاصل ہے. اس کی سزا اور اس کی پکڑ سے بچ کر جانا کسی کے لئے ممکن نہ ہو گا. ایک اور عجیب حقیقت کی طرف راہنمائی ملتی ہے کہ اہل جہنم فریاد کریں گے. رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ (آیت ۱۱ المومن) اے رب ہمارے تو نے ہمیں دو مرتبہ جلایا اور دو مرتبہ مارا، اب یہاں سے بھی نکلنے کا کوئی راستہ ہے یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ انسان کی زندگیاں دو ہیں ایک وہ مختصر سی زندگی تھی، ارواح کی تخلیق کے بعد جس کے دوران کا اہم ترین واقعہ وہ عہد الست ہے جس کا ذکر سورۃ الاعراف میں آچکا ہے. اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى (آیت ۱۷۲، الاعراف) دوسری زندگی ہے یہاں اس زمین پر زندگی، یہ حیات دنیوی، اسی طریقے سے دو ہی موتیں ہیں. ایک اس پہلی زندگی کے بعد کی ایک عارضی موت اور ایک دوسری زندگی کے بعد کی موت، جس کے بعد جب احیاء ہو گا تو وہ پھر ابدی زندگی ہے ہمیشہ کی زندگی. اس سورہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آل فرعون میں سے ایک ایسے صاحب کے حالات اور ان کی تقریر خاص طور سے ذکر فرمائی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے. لیکن اپنے ایمان کو انہوں نے چھپائے رکھا تا آنکہ وہ مرحلہ آیا کہ فرعون نے اپنے دربار میں یہ تجویز پیش کی کہ اب موسیٰ کو مزید مہلت نہ دی جائے:۔ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى

آیت ۲۶، المومن) اب تو مجھے اجازت دو کہ میں موسیٰ کو قتل ہی کر گزروں۔ اس وقت وہ صاحب ایمان موقع کی نزاکت کے اعتبار سے بھرے دربار میں کھڑے ہوئے اور انہوں نے جو تقریر کی ہے اس کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ قرآن مجید میں جن انسانوں کے اقوال نقل ہوئے، یا ان کی وصیتیں یا نصیحتیں نقل ہوئی ہیں ان میں جس قدر تفصیل کے ساتھ مومن آل فرعون کی تقریر قرآن مجید میں نقل ہوئی اور ہمیشہ ہمیش کے لئے زندہ جاوید بنادی گئی۔ اتنی تفصیل کے ساتھ کسی اور کا قول نقل نہیں ہوا۔ انہوں نے اپنی تقریر کا آغاز کیا۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ (آیت ۲۸، المومن) کیا تم ایک ایسے شخص کے قتل کے درپے ہوگئے ہو صرف اس جرم پر کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ یاد رہے یہی وہ الفاظ تھے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائے تھے۔ جب مسجد حرام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشرکین نے دست درازی کی اور آپؐ کو مارنے کے لئے بڑھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سینہ سپر ہوگئے اور اس وقت یہی الفاظ تو ان کی زبان پر تھے۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ یعنی تو تو کیا صرف اس جرم کی پاداش میں محمد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم شخصیت کے قتل کے درپے ہوگئے ہو کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ میرا رب صرف ایک اللہ ہے، ان کی تقریر کا اختتام ہوا اس جامع جملے پر، وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ (آیت ۴۴، المومن) میں اپنے معاملہ کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں میں نے کلمہ حق کہہ دیا اور مجھے اس کے بارے میں کوئی اندیشہ نہیں کہ تم میرے ساتھ کیا سلوک کروگے اس لئے کہ میں نے اپنے معاملے کو بالکل ہی اللہ کے حوالے کردیا اس کے بعد آتی ہے حٰم السجدہ۔ اس کی آیات میں ایک اہم بات تو یہ سامنے آتی ہے کہ قیامت کے دن جب انسانوں کا محاسبہ ہوگا تو ان کے اپنے اعضاء وجوارح ہی ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ اور جب وہ حیران اور ششدر ہو کر کہیں گے۔ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا (آیت ۲۱، حٰم سجدہ) کہ ہمارے ہی اعضائے جسم ہو کر ہمارے خلاف گواہی دے رہے ہو تو وہ کہیں گے اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (آیت ۲۱، ایضاً) ہمیں بھی آج اس اللہ نے زبان دے دی

ہے۔ جس نے ہر شے کو زبان دی تھی۔ آج تمہاری بدکرداری کے خلاف سب سے بڑی گواہی ہم خود دیں گے۔ ایک اور قول کفار کا نقل ہوا۔ قرآن مجید کی تاثیر کو پورے طور پر سمجھنے کی وجہ سے انہوں نے باہم یہ مشاورت کی لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ٥ (آیت ۲۶ حم سجدہ) اس قرآن کو سنا مت کرو بلکہ جب محمد رسول اللہؐ تمہیں قرآن سنائیں تو کوئی شور و شغب کردیا کرو اس میں تمہاری فلاح ہے۔ اسی میں تمہارے غالب آنے کی کوئی شکل پیدا ہوسکتی ہے۔ اور پھر آئیں وہ آیات، نہایت عظیم آیات اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (آیت ۳۰، حم السجدہ) وہ لوگ کہ جو کہیں کہ ہمارا رب اللہ ہی ہے اور پھر اس پر جم جائیں عقیدتاً بھی اور عملاً بھی ان کی پوری شخصیت ان کے اس یقین کا مظہر بن جائے تو یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ انہیں اس دنیا کی زندگی میں بھی اللہ کی طرف سے بشارتیں ملتی ہیں۔

اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ٥ (آیت ۳۰، ایضاً) پھر ان لوگوں کی شخصیتوں کا وہ نقشہ بھی کھینچا گیا کہ یہ لوگ پھر اسی بات کے داعی بھی بن کر کھڑے ہوتے ہیں۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ٥

(آیت ۳۳، حم السجدہ)

ویسے تو زبان اللہ نے ہر ایک کو دی ہے لیکن اس سے بہتر بات کس کی ہوگی جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے اور اس کے اپنے عمل بھی درست ہوں اور وہ یہ کہتا ہو کہ میں بھی اللہ کے فرماں برداروں میں سے ہوں۔

۲۵
اِلَیۡهِ یُرَدُّ

اِلَیۡهِ یُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ وَ مَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَکۡمَامِهَا وَ مَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰی
وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَ یَوۡمَ یُنَادِیۡهِمۡ اَیۡنَ شُرَکَآءِیۡ ۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰکَ ۙ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِیۡدٍ

(آیۃ ۴۷، سورۃ حٰمٓ سجدہ)

قرآن مجید کا پچیسواں پارہ "اِلَیۡهِ یُرَدُّ" کے نام سے موسوم ہے اور اس میں اولاً سورہ حٰمٓ السجدہ کی آخری آٹھ آیات شامل ہیں اور اس کے بعد سلسلہ حوامیم کی چار کامل سورتیں یعنی سورۃ الشّوریٰ، سورۃ الدّخان، سورۃ زخرف اور سورۃ الجاثیہ۔ سورہ شوریٰ کا دوسرا رکوع بلاشبہ نہایت عظمت اور اہمیت کا حامل ہے اس میں اولاً اس حقیقت کی طرف راہنمائی کی گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر دنیا میں تشریف لائے وہ کوئی نیا نویلا دین نہیں بلکہ یہ وہی دین ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کو دیا گیا تھا اور جو حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسّلام لے کر دنیا میں تشریف لائے اور اس دین کے دنیا میں آنے کی اصل غرض یہی ہے۔ اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡهِ ؕ (آیت ۱۳، الشّوریٰ) جو بھی اس دین کو قبول کریں یا جو بھی اس کے ماننے کے اور اس کے حامل ہونے کے دعویدار ہوں ان کا فرض ہے کہ وہ اس دین کو قائم کریں اور اس میں تفرقے نہ پیدا کریں۔ یہ دین کل کا کل ایک وحدت ہے اس میں تفریق نہیں کی جاسکتی اور سب سے بڑا فتنہ جس میں امت مبتلا ہوسکتی ہے وہ یہی تفرقہ

کا نتشہ ہے۔

اس کے بعد وضاحت فرمائی کہ رسولوں کی امتوں میں اضمحلال یا زوالِ عمل کیوں پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا۔ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ۝ (آیت ۱۴، الشوریٰ) وہ لوگ کہ جو نبیوں کے بعد ان کی کتابوں کے وارث ہوتے ہیں وہ ان کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہی اصل سبب بنتا ہے ان کی بے عملی اور پھر بد عملی کا، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوا، اور یہ حکم آپ کی وساطت سے پوری امت مسلمہ کو ہے امت مسلمہ کے ایک ایک فرد کو ہے۔ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ (آیت ۱۵، الشوریٰ) پس اسی کی دعوت دیتے رہو اور اس پر پوری طرح مستقیم رہو، جا گزیں اور قائم رہو اور لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو۔ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ (آیت ۱۵، الشوریٰ) اور اعلان کر دو دوٹوک الفاظ میں کہ میں تو ایمان رکھتا ہوں اس کتاب پر کہ جو اللہ نے نازل کی ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے مابین انصاف کروں اور اس کے بعد مخالفین اور معاندین جو بھی اس دعوت کا راستہ روکنے کے لئے آگے بڑھیں ان کے بارے میں بڑے ہی بلیغ انداز میں بڑے دلنشیں پیرائے میں دوٹوک الفاظ میں فرمایا۔ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ؕ (آیت ۱۵، ایضاً) یہ جھگڑا کاہے کے لئے ہے یہ فساد آخر کس بات پر ہے ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں ہم اگر کوئی خیر کما رہے ہیں تو اس کا فائدہ ہم ہی کو پہنچے گا اور اگر شر بھی کما رہے ہیں تو اس کا وبال تم پر نہیں بلکہ ہمیں پر آئے گا۔ ہمارے اور تمہارے مابین اس تکرار کی کوئی احتیاج نہیں۔ ایک وقت آنے والا ہے جب ہم اللہ کے حضور میں جمع ہو جائیں گے۔ اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا، معلوم ہو جائے گا کہ کون حق پر ہے واقعہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کے ان افراد کے لئے بالخصوص بڑی رہنمائی کی حامل آیات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس دین کی اقامت کے لئے اللہ کے دین کو دنیا میں قائم کرنے

کے لئے سعی کریں اور اس کے لئے " دعوت الی الکتاب " کتاب ہی کی طرف بلانے کو ذریعہ اور منہاج اختیار کریں۔ اس سورۂ مبارکہ میں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے ضمن میں ایک انتہائی اہم ہدایت وارد ہوئی فرمایا: وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ (آیت ۳۸، الشوریٰ) ان کے معاملات آپس میں باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے اسی قرآن کو آپؐ کے لئے بھی نور بنایا ہے آپؐ کو اس قرآن کے وحی کئے جانے سے قبل کچھ معلوم نہ تھا۔ مَاكُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (آیت ۵۲، الشوریٰ) آپؐ کچھ نہ جانتے تھے کہ ایمان کسے کہتے ہیں کتاب اور شریعت کس چیز کا نام ہے؟ ہم نے اس قرآن کو آپؐ کے حق میں نور بنایا ہے اور آپؐ اس قرآن کے حامل اور مہبط ہونے کی بنا پر۔ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (آیت ایضاً) اب سیدھی راہ کی طرف ہدایت دینے والے آپؐ ہی ہیں۔ سورۃ زخرف اور سورۃ الدّخان میں یہ مضمون مشترک ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر دونوں میں ہے۔ سورۃ الزخرف میں حضرت عیسیٰؑ کا اجمالی ذکر ہے اور کفار کا ایک عجیب قول بھی سورۃ الزخرف ہی میں نقل ہوا ہے انہوں نے یہ کہا کہ یہ قرآن اللہ کو اگر نازل کرنا ہی تھا، لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ (آیت ۳۱، الزخرف) تو یہ جو دو بڑے بڑے شہر ہیں مکہ اور طائف، اس کے بڑے بڑے سردار اور بڑے بڑے دولت مند صاحب ثروت لوگ موجود تھے اللہ اگر نازل کرتا تو ان پر نازل کرتا۔ یہ بنی ہاشم کا ایک یتیم اللہ کو کیسے پسند آگیا؟ جواباً ارشاد فرمایا گیا، اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ط (آیت ۳۱، زخرف) کیا تیرے رب کی رحمت کو یہ تقسیم کرنے کے ٹھیکیدار بن گئے۔؟ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ نبوت اور رسالت کے لئے جو اوصاف مطلوب ہیں وہ کس میں موجود ہیں اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (آیت ۱۲۵، الانعام) اللہ خوب جانتا ہے کہ رسالت کے فرائض ادا کرنے کے لئے جس قسم کی سیرت و کردار ضروری ہے، جن اوصاف جلیلہ کا حامل ہونا ضروری ہے وہ کس میں ہیں اور کس میں نہیں ہیں! سورۃ الدخان کا آغاز ہوا۔ اس لیلۂ مبارکہ کے ذکر سے جس میں قرآن مجید کا نزول ہوا۔

اِنَّآ اَنزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (آیت ۳، الدخان) یہ وہی شب ہے جو آخری پارے میں لیلۃ القدر کے نام سے موسوم ہوئی ہے۔ جو اس ماہ مبارک ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہے جس کے بارے میں آخری پارے میں فرمایا گیا کہ تم کیا سمجھتے ہو اس کی قدر وقیمت کو؟ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ (آیت ۳، القدر) وہ ہزار مہینوں سے بھی افضل ہے۔ سورۃ جاثیہ میں دوسرے اہم مضامین کے ساتھ ساتھ ایک بڑا اہم مضمون یہ وارد ہوا ہے کہ جسے ہم مادہ پرستانہ الحاد کہتے ہیں وہ کوئی کسی جدید دور کی پیداوار نہیں ہے بلکہ یہ فکر ہمیشہ سے موجود ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے صرف حواس خمسہ پر انحصار کیا، جنہوں نے اس سے ماوری کسی ہدایت سے منہ موڑا، ان کا نکتۂ نظر ہمیشہ یہی رہا جو آج کے مادیین اور ملحدین کا ہے۔ ان کا قول نقل ہوا ہے۔

وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ (آیت ۲۵، الجاثیہ)

ہم کسی اور زندگی کو نہیں مانتے بس یہی دنیا کی زندگی ہے اس کے سوا کوئی زندگی نہیں، ہم خود ہی جیتے ہیں اور خود ہی مرتے ہیں اور ہمیں مارنے والی کوئی شے کوئی اور طاقت کوئی اور بڑی قوت، کوئی حاکم اور کوئی مالک نہیں ہے سوائے گردش فلک کے۔ یہ زمانہ جو چل رہا ہے یہ افلاک جو گردش میں ہیں انہی کی گردش سے یہ سارا نظام آپ ہی آپ رواں ہے یہی ہے حقیقت، یوں سمجھئے کہ ایک فقرے میں ایک کوزے میں دریا بند کر دیا گیا ہے۔ دور جدید کا مادہ پرستانہ الحاد جس کی زبردست چھاپ آج کے انسان کے ذہن پر پڑچکی ہے، وہ حقیقتاً یہی ہے۔ ایک اور اہم قول بھی نقل ہوا، کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کسی درجے ماننے کا اظہار کرتے ہیں لیکن وہ قیامت کے بارے میں کہتے ہیں۔ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ (آیت ۳۲، الجاثیہ) کچھ گمان سا تو ہمیں ہوتا ہے کہ شاید جو خبر نبیوں نے دی ہے وہ درست ہے لیکن اس پر یقین نہیں بیٹھتا، دل نہیں ٹھکتا، اگر ہم اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ہم میں سے اکثر کی حالت یہی ہے ہم آخرت اور معاد کے ماننے والے تو ہیں لیکن اس پر جو یقین ضروری ہے جس کے بغیر سیرت و کردار میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوسکتی، انسانی اعمال پر کوئی اثرات مترتب نہیں ہوسکتے۔ الا ماشاء اللہ ہمارے قلوب اس سے خالی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دولت ایمان سے سرفراز فرمائے

۲۶ حٰمٓ

حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۚ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝ (آیۃ ۱ تا ۳، الاحقاف)

قرآن مجید کا چھبیسواں پارہ "حٰمٓ" کے نام سے موسوم ہے اس میں اولاً سورۃ الاحقاف ہے جو سلسلہ حوامیم کی آخری سورت ہے پھر تین سورتیں مدنی ہیں "سورۃ محمدؐ"، "الفتح"، اور "سورۃ الحجرات" اس کے بعد "سورۃ قٓ" ہے اور پھر "سورۃ الذّٰریٰت" کا نصف اول۔ جس طرح سورۃ الشوریٰ میں اسلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ کوئی نیا نویلا دین نہیں ہے بلکہ یہ وہی دین ہے جو حضرت نوح و حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام لے کر آئے اسی طرح سورۃ الاحقاف میں فرمایا کہ اے نبیؐ آپ کہہ دیجئے کہ "قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ" (آیت ۹، الاحقاف) میں کوئی نیا نویلا اور انوکھا رسول نہیں ہوں بلکہ انبیا و رسل کی اس مقدس جماعت کے سلسلہ کی آخری کڑی ہوں اور یقیناً مکمل اور اکمل کڑی ہوں جو حضرت آدم سے چلا آرہا ہے، علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ سورۃ الاحقاف میں انسان کی شعوری زندگی کے آغاز کے وقت دو مختلف نقطہ ہائے نظر کا ذکر ہوا۔ چالیس برس کی عمر قرآن مجید کی رُو سے انسان کے شعور کی پختگی اور عقلی بلوغ کی عمر ہے فرمایا ایک تو وہ لوگ ہیں کہ جو اس عمر کو پہنچتے ہیں: حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ

رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚۛ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

(آیت ۱۵، الاحقاف) اے رب مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیرے ان احسانات کا شکرادا کرسکوں جو تو نے مجھ پر کئے اور میرے والدین پر کئے مجھے توفیق دے کہ میں نیک عمل کرسکوں میرے لئے میری اولاد کو بھی نیک اور صالح بنادے میں تیری جناب میں رجوع کرتا ہوں اور میں اقرار کرتا ہوں کہ میں تیرا ایک فرمانبردار بندہ ہوں اس کے برعکس ایک دوسری روش بھی ہے کہ مسلمان والدین اپنی اولاد کو اگر دین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور آخرت سے ڈراتے ہیں تو کچھ لوگ ہیں کہ جو جواباً یہ کہتے ہیں اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ج (آیت ۱۷، الاحقاف) تمہیں کیا ہوگیا ہے کیسی احمقانہ قسم کی باتیں کرتے ہو کیا تم مجھے یہ بتارہے ہو کہ میں جب مرجاؤں گا اور میں گل سڑ کر مٹی میں مل کر مٹی ہوجاؤں گا تو کیا میں دوبارہ اٹھا یا جاؤں گا؟ معلوم ہوا کہ یہ دو مختلف راستے ہیں جو لوگ بلوغ کی عمر میں پہنچنے کے بعد اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پہلا راستہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سورۃ الاحقاف میں حضرت ہود علیہ السلام کا بھی ذکر ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا ایک واقعہ کہ جنوں کی ایک جماعت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے آپؐ سے قرآن سنا آپؐ پر ایمان لائی اور پھر اس کی دعوت اس نے اپنی قوم کو دی۔

یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝

(آیت ۳۱، الاحقاف) اے ہماری قوم والو! اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت پر لبیک کہو، اس میں خیر ہے اور عافیت ہے اس میں فلاح مضمر ہے۔ اس کے بعد قرآن حکیم میں تین مدنی سورتیں وارد ہوئیں۔ "سورہ محمدؐ"، جس کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا یہ مدد کا معاملہ یکطرفہ نہیں چل سکتا۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (آیت ۷، محمدؐ) اگر تم اللہ کی مدد کروگے اور اس کے رسولؐ کی مدد کروگے اس کے دین کو دنیا پر غالب کرنے کے لئے جان اور مال کھپاؤگے تو اللہ بھی تمہاری مدد کریگا

اور تمہارے قدموں کو جما دے گا۔ اس سورہ مبارکہ کے اختتام پر تنبیہاً دوبارہ ارشاد فرمایا۔
وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ (آیت ۳۸، محمدؐ) اگر تم نے انحراف کیا یا پیٹھ موڑی تو اللہ تعالیٰ تمہیں بھی راندہ درگاہ کر کے کسی اور قوم کو اپنے دین کی امانت سونپ دے گا۔ اور اپنے دین کا جھنڈا اس کے ہاتھ تھما دے گا۔ اس سورہ مبارکہ میں مسلمانوں کو قرآن مجید پر عمل اور غور و فکر کی دعوت انتہائی پرزور الفاظ میں دی گئی۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُہَا (آیت ۲۴، محمدؐ) فرمایا گیا، کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں؟
اس کے بعد سورۃ الفتح آتی ہے، یہ سورہ مبارکہ بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ کے گرد گھومتی ہے چنانچہ اس میں آغاز ہی ہوتا ہے صلح حدیبیہ کے ذکر سے۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا (آیت ۱، الفتح) اے نبیؐ اس صلح کی شکل میں جو اگرچہ بظاہر آپ نے کسی قدر دب کر کی ہے ہم نے آپ کو ایک فتح عظیم عطا فرمائی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس فتح کے بعد اسلام کے عروج کا دور شروع ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اندرون ملک میں بھی اور دوسرے ممالک میں بھی اسلام کی دعوت پر اپنی توجہات مرتکز کرنے کا موقع ملا جس کے نہایت دوررس نتائج نکلے۔ صلح حدیبیہ سے قبل بیعت رضوان ہوئی تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ خبر اڑ جانے پر کہ وہ شہید کر دیئے گئے ہیں حضورؐ نے ان کے انتقام کے لئے بیعت لی اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ سے اپنے راضی ہو جانے کا اعلان فرمایا اور ان کے مقام اور مرتبے اور ان کی فضیلت کے اظہار میں سورہ مبارکہ میں کہا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ (آیت ۱۰، الفتح) یہ لوگ جو آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں در حقیقت اللہ کی بیعت کر رہے ہیں" یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ (آیت ایضاً) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے ایک اور جگہ فرمایا:-
لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ (آیت ۱۸، الفتح) اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ان لوگوں سے کہ جو آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے کہ یہ صحابہ کرام کی عظمت اور ان کی اللہ سے راضی ہو جانے اور اللہ تعالیٰ کا ان کو راضی کر دینے کا اعلان ہوا اس سورہ مبارکہ میں، چنانچہ اس سورہ مبارکہ

کے آخر میں فرمایا: هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ـــــ (آیت ۲۸ الفتح) ۔ ہمنے الہدیٰ اور دین حق دے کر اپنے رسولؐ کو بھیجا ہی اس لئے ہے کہ اس دین کو غالب کر دیا جائے یہ دین مغلوب رہنے کے لئے نہیں آیا۔ اور اب انشاءاللہ وہ دن دور نہیں ہیں جب یہ دین غالب ہو جائے گا چنانچہ فرمایا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ۔
(آیت ۲۹، الفتح) اللہ کے رسولؐ اور ان کے ساتھی اہل ایمان کفار کے مقابلے میں انتہائی سخت ہیں۔ اور اہل ایمان کے لئے انتہائی نرم خو اور نرم چارہ جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔ ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اس مقدس جماعت کی روئے ارض پر کوئی مثل نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ ہوگی اس کے بعد سورۃ حجرات آتی ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں مسلمانوں کی اجتماعی اور ملی زندگی کے اصول بیان ہوئے، پہلا اصول اللہ کی اطاعت کلی اور اس کا تقویٰ۔ لہذا تقویٰ کا ذکر اس سورۃ مبارکہ میں بہ تکرار و اعادہ ہوا ہے۔ دوسرا اصول ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام۔ آپؐ کا ادب اور آپؐ کی تعظیم آپؐ کا کوئی قول سامنے آجائے تو فوراً زبانوں پر تالے پڑ جائیں۔ آپؐ کی آواز سے آواز بلند نہ ہونے پائے آپؐ کی رائے کے مقابلے میں کوئی مسلمان اپنی رائے پیش کرنے کی جرأت نہ کرے۔ اور تیسرا اصول ہے، مسلمانوں کی باہمی محبت اور الفت اور ان کے مابین شفقت و محبت اور رحمت کا رشتہ، چنانچہ اس سورہ مبارکہ میں تفصیلی احکام دیئے گئے۔ ان تمام چیزوں سے روکا گیا جس سے مسلمانوں کے دلی تعلقات میں رخنے پیدا ہو سکتے ہیں۔ آخر میں فرمایا کہ مسلمانو! یہ جان لو اسلام اور ہے ایمان اور ہے، اگر چاہتے ہو کہ خدا کے ہاں واقعی اور حقیقی مومن شمار ہو تو سمجھو کہ اللہ کے نزدیک ایمان کا معیار یہ ہے،

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (آیۃ ۱۵ الحجرات)

مومن تو بس وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اس کے رسولؐ پر پھر شک میں نہیں پڑے اور انہوں نے جہاد کیا اللہ کی

راہ میں اور کھپائیں انہوں نے اپنی جانیں بھی لگائے اس میں اپنے مال بھی۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝
(آیت ایضاً) پس یہی لوگ ہیں جو اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہیں اس کے بعد سورہ قٓ وارد ہوئی ہے
یہاں سے درحقیقت قرآن حکیم میں سات انتہائی حسین و جمیل سورتوں کا آغاز ہوتا ہے جن کی آیتیں
بڑی چھوٹی چھوٹی، بڑی روانی ہے ان میں اور شوکت الفاظ بندش کا حسن بھی اپنے عروج کو پہنچا
ہوا ہے چنانچہ انہی سات سورتوں میں سورہ الرحمٰن بھی ہے، جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید
کی دلہن کہا ہے۔ سورہ قٓ کا آغاز ہوا۔ قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ (آیۃ ۱ قٓ) قسم ہے اس بزرگی والے
قرآن کی یہ دلیل ہے اپنی صداقت پر اور دلیل ہے محمدؐ کی صداقت پر بھی اور اس کا اختتام ہوا اس حکم
پر کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ (آیۃ ۴۵ سورہ قٓ)
لوگوں کو تلقین کیجئے "تذکیر کیجئے"، یاددہانی کرایئے۔ اس قرآن کے ذریعے کہ جس میں ذرا بھی خوفِ
خدا ہے وہ اس سے فائدہ اٹھالے گا۔ اس کے بعد سورہ الذّٰریٰت ہے اس کا افتتاح ہوتا ہے۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ
لَصَادِقٌ ۙ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝ (آیۃ نمبر ۱ تا ۶ سورۃ الذّٰریٰت)

لوگو! یہ نہ سمجھو کہ قیامت یا آخرت کی کوئی خالی ڈھول ہے۔ جو تمہیں دی جا رہی ہے یہ ہونے والی
بات ہے یہ ایک شدنی امر ہے یہ اٹل واقعہ ہے جو ہو کر رہے گا جو دھمکی تمہیں دی جا رہی ہے، وہ حقیقت
پر مبنی ہے۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝ (آیۃ ایضاً)
اور جزا و سزا واقعی ہو کر رہے گی لوگوں کو اپنے اعمال کے بدلے سے دوچار ہونا پڑے گا۔

۲۷
قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (آیۃ ۳۱ تا ۳۵، الذّٰریٰت)

قرآن مجید کا ستائیسواں پارہ "قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ" کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس میں اولاً "سورۃ الذّٰریٰت" کا نصف ثانی شامل ہے پھر "سورۃ طور" پھر "سورۃ والنجم" پھر سورۃ قمر، پھر سورۃ رحمٰن، پھر سورۃ الواقعہ اور آخر میں سورۃ الحدید ہے۔ سورۃ الذّٰریٰت کا جو حصہ اس پارے میں شامل ہے اس کی اہم ترین آیت ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ (آیت ۵۶، الذّٰریٰت) میں نے انسانوں اور جنوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ میری پرستش کریں میری بندگی کریں، میری اطاعت کریں، میری غلامی اختیار کریں۔ یہ اس دنیاوی زندگی کا مآل اور اس کا اصل مقصد اور اس کی اصل غایت ہے۔ اسی مضمون کو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت سادہ الفاظ میں بیان کیا ہے

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی!

اس کے بعد سورۃ طور آتی ہے اس سورۃ مبارکہ میں ایک بہت اہم آیت وارد ہوئی ہے

منکرین خدا کے لئے ایک مثبت بات، فرمایا اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ۝ (آیت ۳۵ طور) ذرا یہ لوگ یہ تو سوچیں کہ یہ بغیر کسی کے پیدا کئے پیدا ہو گئے یا انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا؟ ظاہر بات ہے کہ ان دونوں چیزوں میں سے کوئی چیز بھی ممکن نہیں ہے۔ نہ عقل سلیم تسلیم کرے گی نہ کوئی بہ قائمی ہوش و حواس اس بات کا مدعی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا خالق خود ہے نہ یہ بات عقل انسانی باور کر سکتی ہے کہ کوئی بغیر کسی کے پیدا کئے پیدا ہو جائے۔ لامحالہ تیسری ہی بات ہے اور وہ یہ کہ اللہ ہم سب کا خالق ہے۔ اس کے بعد سورۂ والنجم آتی ہے، اس سورہ مبارکہ کے آغاز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایک بہت اہم بات ارشاد ہوئی ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (آیت ۳، ۴، والنجم) وہ اپنی خواہش نفس سے کلام نہیں فرماتے بلکہ وہ جو بات فرماتے ہیں اللہ کا فرمایا ہوا، اللہ کی وحی کی بنیاد پر فرماتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح آپؐ کا ہر عمل امت کے لئے واجب الاتباع ہے اسی طریقہ سے آپؐ کا ہر فرمان خواہ وہ وحیٔ جلی پر مبنی ہو خواہ وہ وحیٔ خفی پر وہ امت کے لئے واجب الاتباع ہے اس لئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اور آپ کے فرمودات کا منبع و سرچشمہ آپ کی لفاظی نہیں بلکہ وحی الہٰی ہے۔ سورۂ والنجم میں معراج کا جو آسمانی مرحلہ ہے اس کا بھی ذکر ہوا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جو مشاہدات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئے عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ (آیت ۱۴ تا ۱۸ والنجم) سدرۃ المنتہیٰ پر اللہ کے ان انوار کی بارش ہو رہی تھی جن کے بارے میں نطق انسانی کچھ کہنے سے قاصر ہے اس لئے فرمایا گیا کہ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ کی شان یہ تھی کہ نہ نگاہ کج ہوئی نہ حدِ ادب سے تجاوز کیا اس لئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشاہدہ کیا اپنے رب عظیم کی آیات کا۔ سورہ نجم میں یہ بات بڑی تاکید کے ساتھ آئی کہ انسان کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہے۔ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝ (آیت ۳۸ تا ۴۰، والنجم) انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کے لئے اس نے محنت کی ہاں اپنی محنت کو وہ

دیکھ لے گا وہ اس کے سامنے لائی جائے گی، اس کی محنت کو اللہ تعالیٰ ضائع کرنے والا نہیں ہے۔ اس کے بعد سورۃ قمر آتی ہے اس میں متعدد دفعہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی عظمت بیان فرماتے ہیں اور گویا کہ انسان پر حجت قائم کر رہے ہیں وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ہ (آیت ۱۷ القمر) ہم نے قرآن کو یاد دہانی کے لئے نصیحت اخذ کرنے کے لئے ہدایت اور راہنمائی حاصل کرنے کے لئے انتہائی آسان بنا دیا ہے۔ تو ہے کوئی جو اس سے نصیحت اخذ کرے، ہے کوئی جو اس کی راہنمائی سے فائدہ اٹھائے؟۔

سورہ قمر کے بعد سورہ رحمٰن آتی ہے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کی دلہن قرار دیا ہے اس کے بالکل آغاز میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ ہ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ہ (آیت ۱، ۲ الرحمٰن) اللہ تعالیٰ کی شان رحمانی کا سب سے بڑا مظہر قرآن مجید ہے۔ خَلَقَ الْإِنسَانَ ہ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ہ (آیت ۳، ۴۔ الرحمٰن) اللہ نے انسان کو پیدا کیا، اشرف المخلوقات بنایا اور اسے بیان کی قوت یعنی قوت گویائی قوت نطق عطا فرمائی۔ ان چاروں آیتوں کو اگر جمع کر لیا جائے تو ان کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جسے بھی اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی ہو جسے بھی کچھ قادر الکلامی عطا فرمائی ہو اسے اپنی اس قوت کا اور اپنے اس وصف کا بہترین مصرف یہی بنانا چاہیئے۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ" (حدیث) تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں قرآن کو سمجھو اور اس کو بیان کرو، انسان کی قوت بیانیہ کا اس سے بہتر مصرف اور کوئی نہیں۔ سورہ رحمٰن میں بار بار الفاظ آتے ہیں۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ہ (آیت ۱۳۔ الرحمٰن) اے انسانوں اور اے جنوں! جن کے بارے میں سورہ الذّٰریٰت میں فرمایا گیا کہ تمہیں پیدا ہی کیا گیا ہے عبادت رب کے لئے تم اللہ کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے؟ اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے نصیحت اور یاد دہانی کی کوشش اس کی ایک بڑی ہی حسین مثال ہے سورہ رحمٰن۔ اس لئے اس میں یہ الفاظ بار بار وبتکرار و اعادہ وارد ہوئے۔ اس کے بعد سورۃ الواقعہ ہے اس میں انجام کار کے اعتبار سے تین قسم کے لوگوں کا ذکر ہے ایک تو مقربین بارگاہ ربانی ہیں، ان کا تو عالم یہ ہے کہ۔ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ ہ (آیت ۸۹ الواقعہ) اللہ کی رحمتوں میں ہوں

گے۔ پھلوں اور پھولوں میں ہوں گے، نعمتوں والی جنت میں وہ رہیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ایک دوسری جماعت بھی ہے جو اس درجہ کی تو نہیں مگر وہ بھی کچھ کم مرتبہ کی مالک نہ ہوگی وہ ہے اصحاب الیمین کی جماعت۔ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ (آیت ۹۱۔ الواقعہ) ان کے لئے بھی سلامتی اور خیر ہے اور ان کے لئے رب کی نعمتیں ہیں لیکن ایک تیسری جماعت ہے یہ اصحاب الشمال کی جماعت ہے جو مکذبین ہیں اور الضالین ہیں۔ گم کردہ راہ، بھٹکے ہوئے، جھٹلاتے ہوئے، ان کا انجام ہوگا۔ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ۝ (آیت نمبر ۹۳، ۹۴۔ الواقعہ) انتہائی کھولتے ہوئے پانی سے ان کی ضیافت کی جائے گی اور انہیں جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ (آیت ۹۵۔ الواقعہ) اور اے لوگو یہ باتیں خالی خولی دھمکیاں نہیں ہیں۔ یہ یقین کے لئے ہیں۔ یہ یقین کی مستحق ہیں۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو قطعی حق ہیں اور جھوٹ نہیں ہیں۔ اس کے بعد آتی ہے قرآن حکیم کی سورۃ الحدید انتہائی عظیم سورہ اور مدنی سورتوں کا ایک سلسلہ اس سے شروع ہوتا ہے اور اٹھائیسویں پارے کے اختتام تک چلا گیا ہے۔ اس پارہ کی یہ جامع ترین سورۃ بھی ہے اور اس کا نقطۂ آغاز بھی ہے۔ اس سورہ مبارکہ کی ابتدا میں چھ آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان ہے انتہائی جامعیت کے ساتھ بھی اور اعلیٰ ترین عقلی سطح پر بھی۔ اس کے بعد دین کے تقاضے دو الفاظ میں بیان ہو گئے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ (آیت ۷۔ الحدید) ایمان والو! ایمان اللہ پر، اس کے رسول ﷺ پر اور جس جس چیز میں اللہ نے تمہیں خلافت عطا فرمائی، دنیا میں جو جو تمہیں عطا کیا ہے جس جس چیز میں اختیار بخشا ہے جس جس چیز کو تمہاری ملکیت میں دے دیا ہے اسے اللہ کی راہ میں لگا دو اور کھپا دو۔ یہ ہے دین کا تقاضا انتہائی مختصر الفاظ میں، اگر اس سے کنی کتراؤ گے اگر اس سے جی چراؤ گے تو جان لو کہ پھر تمہاری منزل منافقت ہے، اور نفاق ہے۔ اور نفاق انتہائی دردناک انجام تک پہنچا دینے والی چیز ہے۔ منافق دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ شمار ہوتا ہے لیکن اخروی انجام کے اعتبار سے وہ کافروں کے ساتھ ہوگا۔ چنانچہ انتہائی حسرت ناک نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جب قیامت میں اہل ایمان اور منافقین کو جدا کر دیا جائے گا۔ اور ان کے مابین فصیل حائل کر دی جائے گی تو منافق پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے تو اہل ایمان

جواب دیں گے۔ وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ أَمْرُ اللّٰهِ - (آیت ۱۴، الحدید) تم نے اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں فتنوں میں ڈالا۔ تم دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر رہ گئے اور پھر تم شکوک و شبہات میں مبتلا ہو کر رہ گئے۔ پھر تم گو مگو کی کیفیت سے دوچار ہو گئے اللہ کے دین کیلئے سرفروشی اور جانفشانی کریں یا نہ کریں، قدم بڑھائیں یا نہ بڑھائیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج یہاں تمہارا کوئی مددگار نہیں، آج تمہارا انجام کفار کے ساتھ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجام بد سے بچائے اور دین کے تقاضوں کو کما حقہٗ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۸

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ﭤ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ
تَحَاوُرَكُمَاؕ-اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ (آیۃ ۱، المجادلہ)

قرآن مجید کا اٹھائیسواں[۲۸] پارہ "قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ" کے نام سے موسوم ہے یہ نو مدنی سورتوں پر مشتمل ہے اور ستائیسویں پارے کی آخری سورہ سورہ الحدید کے ساتھ مل کر دس مدنی سورتوں کا یہ اکھٹا قرآن مجید میں تعداد سورتہا کے اعتبار سے سب سے بڑا مجموعہ ہے۔ ان سورتوں میں خطاب اکثر و بیشتر مسلمانوں سے ہے۔ بحیثیت امت مسلمہ نہ کفار سے، نہ مشرکین سے نہ اہل کتاب سے ہے۔ بلکہ اصل گفتگو مسلمانوں سے ہوئی ہے۔ یہود کا ذکر اس میں بار بار آیا ہے اور وہ اس اعتبار سے کہ یہ سابق امت مسلمہ تھی لہذا یہ مثال بطور نشان عبرت مسلمانوں کو اپنے سامنے رکھنی چاہیئے کہ وہ اللہ کے دین کے حامل تھے، شریعت خداوندی کے امین کتاب الہی کے حامل لیکن راندۂ درگاہِ حق ہوئے اور اب انہی کا منصب تمہیں عطا کیا گیا ہے۔ تمہیں ہوشیار اور خبردار رہنا چاہیئے کہ تم بھی کہیں ان کا طرز عمل اختیار نہ کر لو مبادا تم بھی اللہ تعالی کی طرف سے اس فضل سے محروم کر دیئے جاؤ۔ اس پارے میں سب سے پہلی سورۃ "المجادلہ" ہے۔ اس میں ایک تو عائلی زندگی کے ضمن میں "ظہار[۱]" کا قانون

ظہار (ع) کے معنی ہم پشت ہونا، موافق ہونا، مرد کا اپنی منکوحہ سے کہنا کہ تو مجھ پر مثل میری ماں کی پشت کے ہے۔ شرع میں ایسا کہنے سے مرد پر وہ عورت حرام ہو جاتی ہے۔ اور جب تک کفارہ ادا نہ کیا جائے وہ اس پر حلال نہیں ہوتی، اور کفارہ اس کا یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے، یہ ممکن نہ ہو تو دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور واجب و لازم ہے کہ کفارہ قبل جماع
(باقی تشریح صفحہ ۱۳۲ پر)

اور کفارؔ کی تفصیلات کا بیان ہے۔ دوسرے نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اس دنیا میں ہر آن ایک کشمکش برپا ہے حق اور باطل کے مابین۔ ایک طرف حزب الشیطان ہے یعنی شیطان کی جماعت، جس میں مشرکین بھی ہیں کفار اور اہل کتاب بھی ہیں اور اس میں منافقین بھی شامل ہیں اور دوسری طرف ہے اللہ تعالیٰ کی جماعت "حزب اللہ" فرمایا گیا۔ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ۝ (آیت ۲۲، المجادلہ)

آخری کامیابی اور غلبہ بہر حال اللہ کی جماعت کو حاصل ہوگا۔ اس ضمن میں یہ آیت بھی وارد ہوئی۔ كَتَبَ ٱللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا۠ وَرُسُلِىٓ ۚ (آیت ۲۱۔ المجادلہ)

اللہ نے یہ لکھ دیا ہے طے کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسولؐ غالب آکر رہیں گے اس کے بعد سورۃ حشر ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں ایک تو یہود کے قبیلہ بنی نضیر کی تباہی کا ذکر ہے یہ گویا کہ شرح ہے سورۂ حدید کی آخری آیت کی یعنی۔ لِّئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ ٱلْكِتَـٰبِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَىْءٍ مِّن فَضْلِ ٱللَّهِ (آیت ۲۹۔ الحدید)

یعنی یہود، اہل کتاب اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل پر کوئی اختیار حاصل ہے۔ اب جبکہ وہ راندہ درگاہ حق کردیئے گئے تو وہ تہ تیغ بھی کئے جائیں گے، ان کو جلا وطن بھی کیا جائے گا۔ ان کو اپنا مال و اسباب چھوڑ کر اس سرزمین سے نکلنا ہوگا۔ هُوَ ٱلَّذِىٓ أَخْرَجَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ مِن دِيَـٰرِهِمْ لِأَوَّلِ ٱلْحَشْرِ ۚ (آیت ۱، الحشر)

وہی تو ہے جس نے کفار اہل کتاب کو حشر اول کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا۔ سورۃ الحشر کے آخر میں بڑے ہی دلنشین پیرائے میں فرمایا: وَلَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ نَسُوا۟ ٱللَّهَ فَأَنسَىٰهُمْ أَنفُسَهُمْ (آیت ۱۹۔ الحشر)

ادا کر دے (لغت کشوری)

عرب میں ایک قسم کی طلاق جاری تھی جس کو ظہار کہتے ہیں۔ ۵ھ میں اس قسم کی طلاق غیر مؤثر قرار دی گئی اور اس کے لئے کفارہ مقرر کیا گیا۔

یہ تمام احکام سورۂ نور میں بتقریب واقعہ افک ۵ھ میں نازل ہوئے۔
(مولانا شبلی نعمانی؛ سیرۃ النبی جلد اول ص ۴۴۶ مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۶۲ء بحوالہ بخاری جلد دوم ص ۷۰۶ و سیرت گازرونی قلمی، ابو داؤد جلد دوم ص ۲۱۲ نیز فتح الباری جلد دوم ص ۱۰۶)

مسلمانو! ان لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے ان کو اپنے آپ سے غافل کر دیا وہ اپنی عظمت کو بھول گئے اپنے اصل مقام اور منصب کو بھول گئے۔ قرآن مجید کی عظمت کے ضمن میں فرمایا۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ (آیت ۲۱، الحشر) اسکی عظمت کی تمثیل سے پہچانو کہ اگر ہم نے قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ اللہ کی خشیت سے دب گیا ہوتا۔ اور پھٹ جاتا اور لرزاٹھتا آخر میں سورۃ حشر میں ایک انتہائی حسین وجمیل گلدستہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ ہیں کہ اتنی کثیر تعداد میں ایک مقام پر قرآن مجید میں کسی دوسری جگہ جمع نہیں ہوئے پھر سورۃ الممتحنہ آتی ہے۔ اس میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ تمہیں اپنے تعلقات اپنی محبتوں اپنی دوستیوں، ان سب کا مرکز ومحور اللہ کو بنانا چاہیئے۔ اللہ کے دشمنوں سے کوئی دوستی اور کوئی تعلق باقی نہ رہنا چاہیئے۔ یہی تمہارے ایمان کی کسوٹی ہے۔ اسی ضمن میں فرمایا کہ اگر مسلمان خواتین ہجرت کر کے آئیں تو ذرا چھان بین کر لیا کرو۔ کہیں دھوکہ فریب کا معاملہ نہ ہو اگر تم یہ دیکھو کہ یہ واقعی اور حقیقی مسلمان ہیں اور ایمان دل سے لائی ہیں تو تم انہیں کفار کو نہ لوٹاؤ۔ اس لئے کہ اب کفار کا معاملہ اور مسلمانوں کا معاملہ رشتے داری کا ممکن نہیں ہے۔ اس کے بعد آتی ہے سورۃ الصّف۔ یہ بڑی عظیم سورۃ ہے اس لئے کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت کو بیان کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ (آیت ۹، الصّف)

یعنی جو دین آپؐ لے کر آئے ہیں اسے بالفعل دنیا میں غالب کرنا اور قائم کرنا آپؐ کا فرض منصبی ہے اور اس فرض منصبی میں وہ لوگ آپؐ کے دست و بازو بنیں گے جو آپؐ پر ایمان لائے ہیں چنانچہ انتہائی پرزور دعوت ہے۔ کہ اے اہل ایمان اگر تم چاہتے ہو کہ واقعتاً اللہ کے عذاب سے چھٹکارا پانا ہے تو تمہارے لئے ایک ہی راستہ کھلا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور اس کی راہ میں اپنی جانیں اور مال لگا دو۔ اور اس کو تجارت سے تعبیر کیا گیا۔ اس سورۃ مبارکہ کے آخر میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ اللہ اور اس کے رسولؐ دونوں کی مرضی کیا ہے۔

سورۃ الجمعہ میں اس مضمون کا دوسرا رخ سامنے آتا ہے۔ دین کے غلبے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کا بنیادی طریق کار اور اساسی منہاج کیا ہے؟ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیۡهِمۡ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَةَ ۚ (آیت ۲، الجمعہ) لوگوں کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھنا، ان کو پاک کرنا اور ان کو کتاب و حکمت سکھانا۔ گویا یہ سارا انقلابی عمل قرآن مجید کے گرد گھومتا ہے۔ اسی کو ذہنوں میں اتارنا اسی کو دلوں میں بٹھانا، اسی کے ذریعہ افراد کے دلوں میں تبدیلی پیدا کرنا، ان کے اخلاق و کردار میں انقلاب لانا اور اسی سے معاشرے میں تبدیلی لانا یہ ہے انقلاب محمدیؐ کا اساسی منہاج۔ چنانچہ قرآن مجید کے بارے میں ایک تنبیہ بھی اسی سورۃ مبارکہ میں بھیجی گئی کہ مسلمانو! تم کہیں یہود کی مانند نہ ہو جانا جو حامل تورات بنائے گئے تھے لیکن پھر انہوں نے اس کی ذمہ داریوں کو ادا نہ کیا ایسے لوگ جو حامل کتاب الٰہی بنائے جائیں اور پھر وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا نہ کریں تو وہ ان گدھوں کے مانند ہیں جن کے اوپر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو۔ آخر میں جمعہ کے احکام ہیں۔ اور اس کی مناسبت یہی ہے کہ جمعہ میں اصل اہمیت خطبۂ جمعہ کی ہے۔ جمعہ کو جمعہ بنانے والی چیز خطبۂ جمعہ ہے اور خطبہ جمعہ کی غرض و غایت ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تعلیم یعنی کوئی نائب رسولؐ ممبر رسولؐ پر کھڑا ہو کر وہی عمل سر انجام دے۔ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیۡهِمۡ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَةَ ۚ (آیت ۲، الجمعہ)

اس کے بعد سورۃ منافقون آتی ہے جو نفاق کے موضوع پر قرآن مجید کی بڑی مختصر لیکن انتہائی جامع سورۃ ہے۔ اس کے ایک رکوع میں نفاق کی علامات، اس کی ہلاکت خیزی کا بیان ہے اور دوسرے رکوع میں اس مرض سے بچاؤ کی تدابیر اور اگر کسی کو اس کی چھوت لگ ہی جائے تو اس کے علاج اور معالجہ کی شکل بتائی گئی ہے پھر سورۃ التغابن ہے۔ یہ نفاق کے بالکل برعکس کیفیت ایمان کی حقیقت اور اس کے ثمرات و لوازم، اس کے نتائج اس کے متضمنات کو بیان کرتی ہے کہ ایمان کے اجزاء کیا ہیں؛ اور ایمان اگر واقعتاً دلوں میں جاگزیں ہو جائے تو زندگیوں میں کیسا انقلاب آئے گا۔ کیا کیا تبدیلیاں برپا ہوں گی؛

آخر میں دو سورتیں ہیں جو مسلمانوں کی عائلی زندگی سے بحث کرتی ہیں۔ زندگی میں دو انتہائی حالات پیدا ہو سکتے ہیں۔ یعنی میاں اور بیوی میں عدم موافقت جس کا نتیجہ طلاق ہے۔ اس صورت سے سورۃ طلاق بحث کر رہی ہے اور ایک دوسری کیفیت یہ کہ اپنی بیویوں کی رضا جوئی اور دل جوئی اس درجہ مطلوب ہو جائے کہ اللہ کے احکام ٹوٹنے لگیں، اس پر سورۃ التحریم میں توجہ دلائی گئی ہے اور اس کے

آخر میں یہ بات واضح کردی گئی کہ مسلمان خواتین کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ پوری طرح مامور اور ذمہ دار ہستیاں ہیں۔ اللہ کے ہاں انہیں جواب خود دینا ہوگا۔ وہ اپنے شوہروں کے دین کے تابع نہیں ہیں۔ اس ضمن میں تین انتہائی عمدہ مثالیں دی گیئں کہ بہترین شوہروں کے ہاں بدترین بیویاں ہوئی اور بدترین شوہر کے ہاں بہترین بیوی ہوئی اور کیا کہنے ہیں حضرت مریم صدیقہ سلام اللہ علیہا کے کہ وہ خود بھی انتہائی نیک سرشت تھیں اور انہیں اللہ نے ماحول بھی انتہائی عمدہ اور اعلیٰ عطا فرمایا چنانچہ وہ نورٌ علیٰ نور کی مثال بن گئیں

۲۹

تَبٰرَكَ الَّذِیْ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُۨ ۙ الَّذِیْ خَلَقَ
الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ (آیۃ ۱، ۲ الملک)

قرآن حکیم کا انتیسواں ۲۹ پارہ "تبٰرک الذی" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ گیارہ سورتوں پر مشتمل ہے جو سب کی سب مکی ہیں اور زمانہ نزول کے اعتبار سے مکی دور کے بالکل آغاز سے متعلق ہیں چنانچہ اس میں تین سورتیں وہ بھی ہیں کہ جن میں وہ آیات وارد ہوئیں ہیں۔ کہ جن کے بارے میں محققین کا تقریباً اجماع ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دوسری اور تیسری اور چوتھی وحی ہے۔ اس پارے کا آغاز ہوتا ہے "سورۃ الملک" سے جس کے آغاز میں بڑی اہم آیت وارد ہوئی ہے خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ (آیت ۲، الملک) اللہ نے موت اور زندگی کا یہ سلسلہ اس لئے پیدا فرمایا کہ تمہیں آزمائے کہ کون ہے تم میں سے بہتر عمل کرنے والا۔ گویا کہ یہ حیات دنیوی جو ہماری اصل حیات ــــ اور اصل زندگی کا صرف ایک ابتدائی مرحلہ ہے اپنی حقیقت کے اعتبار سے امتحانی وقفہ ہے۔ یہی بات علامہ اقبالؒ نے فرمائی بڑی سادگی سے لیکن بڑے پرشکوہ الفاظ میں کہ ـــ

قلزمِ ہستی سے ابھرا ہے تو مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

اس پارہ میں سورۃ الدہر میں یہ مضمون وارد ہوا۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ

اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ (آیت ۲، الدھر) ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا تاکہ اسے آزمائیں، پس ہم نے اسے سماعت بھی بخشی اور بصارت بھی عطاء فرمائی. سورۃ ملک کے بعد سورۃ القلم آتی ہے. اس کا ایک دوسرا نام سورہ نٓ ہے. اس کے آغاز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کی تعریف کی گئی جس میں دوسری وحی، کی آیات شامل ہیں۔ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (آیت ۱ تا ۴، القلم) لوگوں نے حضورؐ کے بارے میں یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ معاذ اللہ! آپؐ کا دماغی توازن خراب ہو گیا ہے. آپؐ کو نہ معلوم کیا ہوا کہ آپؐ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ میرے پاس اللہ کا فرشتہ آتا ہے اور وہ اللہ کا پیغام لاتا ہے اسے انہوں نے خلل دماغ پر محمول کیا. اس سے نبی اکرمؐ کو رنج پہنچا. اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ غمگین نہ ہوں، آپؐ ملول اور رنجیدہ نہ ہوں، آپؐ ان کے کہنے سے نعوذ باللہ کہیں پاگل تو نہیں ہو گئے! آپؐ تو اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں۔ آپؐ کے لئے آپؐ کے رب کے پاس اجر غیر ممنون یعنی کبھی نہ منقطع ہونے والا اجر ہے. سورہ نٓ کا اختتام ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبر کی انتہائی موثر تاکید پر کہ۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (آیت ۴۸، القلم) اپنے رب کے حکم کا اور اس کے فیصلے کا انتظار کیجئے اور اس مچھلی والے کی مانند نہ ہو جائیے یعنی حضرت یونسؑ کی طرح جلدی نہ کیجئے. اپنے فرائض نبوت و رسالت کو ادا کرتے رہئے. اور نتائج کو اللہ کے حوالے کر دیجئے اس کے بعد سورۃ الحاقہ آتی ہے. جس میں بڑے پرشکوہ انداز میں آخرت کا اثبات کیا گیا ہے کہ وہ ایک شدنی چیز ہے واقع ہو کر رہنے والی شے ہے. اَلْحَاقَّةُ ۝ مَا الْحَاقَّةُ ۝ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْحَاقَّةُ (آیت ۱ تا ۳، الحاقہ) اس کے بعد سورہ المعارج آتی ہے. اس میں اللہ کے نیک بندوں کے اوصاف اور خصائص کا ذکر ہے اور یہ تقریباً وہی مضمون ہے جو اٹھارویں پارے میں سورۃ المومنون کے آغاز میں آچکا ہے اس کے بعد آتی ہے سورہ نوح جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر "اولوالعزم من الرسل" کس تندہی کے ساتھ کس جانفشانی کے ساتھ، کس سرفروشی کے ساتھ اور کس سرگرمی کے ساتھ اللہ

کی دعوت لوگوں تک پہنچاتے رہے اور لوگوں نے کس طرح ڈھٹائی کی روش اختیار کی ۔ انکار واعراض پر اڑے رہے ۔ حضرت نوحؑ عرض کرتے ہیں بارگاہ خداوندی میں کہ ـــ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا (آیت ۵، نوح) اے رب میں نے اپنی قوم کو رات کو بھی دعوت دی ہے اور دن کو بھی پکارا ہے ۔ میں نے انہیں اکیلے اکیلے میں بھی دعوت پہنچائی ہے اور مجمع عام میں بھی تیرا پیغام پہنچایا ہے ۔ لیکن ان کے اعراض و انکار اور تکبر میں اور بھی اضافہ ہوتا چلا گیا ہے اس سورہ کے آخیر میں حضرت نوح علیہ السلام کی مایوسی کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ وہ اپنی قوم سے کس درجہ مایوس ہو چکے تھے کہ انہوں نے اللہ سے دعا کی ۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (آیت ۲۶، ۲۷ نوح) اے رب! اب تو اس زمین پر کافروں کا ایک بھی گھر بستا نہ چھوڑ ۔ اگر تو نے ان میں سے کسی کو بھی چھوڑ دیا تو ان کی آئندہ نسلوں میں سے بھی محض کافر اور فاسق ہی پیدا ہوں گے ۔ اس کے بعد سورہ الجن ہے جس میں جنّوں کی ایک جماعت کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری ، قرآن مجید کا سننا اور پھر جا کر اپنی قوم میں نبوت محمدیؐ کی تبلیغ کرنا ، یہ سب حالات بیان ہوئے ہیں ۔ اس کے بعد آتی ہیں قرآن مجید کی وہ دو انتہائی حسین و جمیل سورتیں جو ہر مسلمان کو انتہائی عزیز ہیں ان کا آغاز ہوتا ہے "یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ" اور "یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ" کے الفاظ سے گویا یہ خطاب ہے ، نبی اکرمؐ سے دونوں الفاظ کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں ۔ اے کپڑے میں لپٹ کر لیٹنے والے اب کھڑے ہو جاؤ ، کمر بستہ ہو جاؤ ۔ اپنی عملی جدوجہد کا آغاز کر دو آپ کی اس جدوجہد کے دو رُخ ہیں ایک ہے اللہ کی طرف راتوں کو کھڑے رہو ! اللہ کے حضور دست بستہ اور اس کا کلام پڑھتے رہا کرو ، اسی کے ہو کر رہ جاؤ توسل اور توکل کا رشتہ اب اللہ کی ہی ذات کے ساتھ ہو ، اور جو اعدائے دین ہیں ۔ اعداء اللہ ہیں مشرکین اور معاندین ہیں ان کی مخالفت پر صبر کرو ۔ اور ان سے قطع تعلق کی روش اختیار کرو ۔ اور یہ انتہائی خوبصورتی کے ساتھ ان سے قطع تعلق ہو تا کہ دعوت و تبلیغ میں آئندہ مراحل میں یہ رکاوٹ نہ بن جائیں ایک طرف یہ ہدایات ہیں دوسری طرف سورہ مدثر میں دعوت نبوی اور رسالت کا جو فرض منصبی ہے

اس کی ادائیگی کا حکم ہوا۔ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿آیت ۲، المدثر﴾ کھڑے ہو جائیے اور لوگوں کو خبردار کیجیے اس وقت سے جو آنے والا ہے آخرت سے خبردار کیجیے اخروی انجام سے ڈرائیے ان نیند کے ماروں کو جگائیے۔ فرمایا۔ قُمْ فَاَنْذِرْ یہ ہے درحقیقت دعوت محمدیؐ بلکہ یوں کہیے کہ ہر نبیؑ کی دعوت کا نقطۂ آغاز۔ لیکن حضورؐ کی دعوت کا منتہائے مقصود وہ ہے جو اگلی آیت میں وارد ہوا۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿آیت ۳، المدثر﴾ اپنے رب کی کبریائی کا اعلان کیجیے، اس کی بڑائی کا اعلان کیجیے اور صرف اعلان ہی نہیں اس کی بڑائی و تنزیہہ کا اثبات و نفاذ اس طرح کہ اللہ واقعی بڑا ہو جائے اس کو حقیقتاً بڑا مانا جائے۔ اس کا حکم تمام احکام سے اونچا ہو۔ اس کا جھنڈا تمام جھنڈوں سے سربلند ہو، اس کی مرضی تمام مرضیوں سے مقدم ہو، یہ اعلائے کلمۃ اللہ یہ اقامت دین، یہ اظہار دینِ حق ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدوجہد کا ہدف ہے اور مقصود ہے۔ تو پہلی آیت میں دعوت محمدیؐ کا نقطۂ آغاز اور دوسری آیت میں اس کی جدوجہد کی آخری منزل ہے اور اس سلسلہ آیات میں بھی جو آخری بات فرمائی گئی وہ یہ ہے ۔ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿آیت ۷، المدثر﴾ اپنے رب کے لئے صبر کیجیے۔ آپ کو اس راہ میں مصائب جھیلنے ہوں گے، مشکلات برداشت کرنی ہوں گی، مخالفتوں کا سامنا ہوگا۔ طرح طرح کے موانع راستے میں آئیں گے۔ لیکن آپ ان سب کے باوجود ان کے علی الرغم اپنے اس فرض منصبی کی ادائیگی میں لگے رہیے، جھیلئے جو کچھ بھی آپ پر بیتے، برداشت کیجئے جو بھی اغیار یا اعدار کی طرف سے آپ کے راستے میں آئے۔ اس کے بعد ہے سورۃ القیامۃ۔ سورۂ قیامۃ، سورۃ الدھر اور سورہ المرسلت یہ انتیسویں پارے کی آخری سورتیں ہیں، ان تینوں کا مرکزی مضمون وہی قیامت اور احوال قیامت، جنت اور دوزخ کے احوال اور ان کی کیفیات ہیں۔ سورۃ القیامۃ کا آغاز ہوتا ہے لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿آیت ۱، القیامۃ﴾ میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔ تمہیں اس کے بارے میں شکوک و شبہات ہیں اور میں اس کو اتنا قطعی اور یقینی جانتا ہوں کہ میں اس کی قسم کھا رہا ہوں اور اس کی اگر دلیل تمہیں اپنے باطن میں مطلوب ہے۔ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿آیت ۲، القیامۃ﴾

یہ ضمیر تمہارا یہ نفسِ ملامت گر سب سے بڑی دلیل ہے کہ یہ جب تمہیں بتاتا ہے کہ کیا خیر ہے اور کیا شر ہے تو یقیناً خیر، خیر ہے اور شر، شر ہے تو اس کے نتائج بھی نکلنے چاہئیں۔ نیکو کاروں کو ان کی نیکو کاری کی جزا ملنی چاہئے اور بدکاروں کو ان کی بدکاری کی سزا ملنی چاہئے۔ اور یہی آخرت ہے اور یہی قیامت ہے۔ سورۃ الدّھر میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے انسانوں کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا تاکہ انہیں آزمائیں اور اس کے بعد نقشہ کھینچ دیا گیا ہے کہ اہل جنت کس آرام میں ہوں گے، ان کو کیسی کیسی نعمتیں اپنے پروردگار کی طرف سے مل رہی ہوں گی۔ آخر میں سورۃ المرسلٰت ہے، اس میں بھی قیامت کا اور آخرت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اہل ایمان کو اور کافروں کو اور مشرکوں کو جن مختلف صورت ہائے حالات سے وہاں دوچار ہونا ہے، اس کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے سزا اور عذاب سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔

۳۰
عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ۚ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ ۙ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ؕ كَلَّا
سَیَعْلَمُوْنَ ۙ ثُمَّ كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ○ (آیۃ ۱، ۵، سورۃ النبا)

قرآن حکیم کا تیسواں اور آخری پارہ عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور پارہ عَمَّ کے نام سے مشہور ہے۔ اس پارہ میں چھوٹی بڑی ۳۷ سورتیں شامل ہیں اور یہ تمام سورتیں آخر کی چھ چھوٹی چھوٹی سورتوں کو چھوڑ کر مکی ہیں اور مکے کے بھی بالکل ابتدائی زمانے سے متعلق ہیں یہ سورتیں اصل میں مصداق ہیں اس مضمون کا جو سورۂ ہود کے بالکل ابتدا میں وارد ہوا۔ الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ خَبِیْرٍ ۙ (آیت ۱، ہود) قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے اس کی آیات حکم کی گئیں پھر ان کی تفسیر کی گئی۔ ابتدا میں جو سورتیں نازل ہوئیں ہیں، وہ چھوٹی چھوٹی ہیں، تین تین، چار چار، پانچ پانچ، چھ چھ آیتوں پر مشتمل لیکن اپنے مضامین کے اعتبار سے اپنے معارف و حقائق اور اپنے مفاہیم کے اعتبار سے بالکل ایسے ہے کہ جیسے بڑے بڑے دریاؤں کو چھوٹے چھوٹے کوزوں میں بند کر دیا گیا ہو، چنانچہ اسی میں وہ سورۃ الاخلاص بھی ہے جس کو نبی اکرمؐ نے پورے قرآن مجید کا ایک تہائی یعنی ثلث قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ یہ توحید کے موضوع پر انتہائی جامع سورہ ہے اور توحید ہمارے دین کی تین بنیادوں میں سے ایک اہم بنیاد ہے۔ وہ تین بنیادیں ہیں، توحید، معاد اور رسالت۔ اسی تیسویں پارے میں سورۃ العصر بھی ہے جس کے بارے میں امام شافعیؒ کا قول ہے۔ لو تدبر الناس هذه السورة لو اسعتهم" (قول) کہ لوگ اگر اس سورۃ پر تدبر کریں، غور و فکر کا حق ادا کر دیں تو تین آیات پر مشتمل یہ سورۃ ان کی ہدایت

اور رہنمائی کے لئے کافی ہو جائے گی۔ اس لئے کہ ان تینوں آیات میں قرآن مجید نے انسانوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا راستہ کھولا ہے۔ بالفاظ دیگر جس راہ نجات کے لئے قرآن مجید راہنمائی کر رہا ہے اس کی پوری جامعیت کے ساتھ تفسیر کر دی گئی ہے۔ اس پارے میں اکثر سورتیں جوڑوں کی شکل میں آئی ہیں۔ پہلی سورۃ سورۃ النبأ۔ یہ منفرد ہے جو اصل میں انتیسویں پارے کی سورۃ المرسلٰت کا جوڑا ہے، اس میں بڑے پرشکوہ انداز میں فرمایا۔ عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۝ یہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا نقطہ آغاز ہی قیامت کی خبر اور آخرت کی طرف سے ڈرانا ہے۔ لہذا چہ میگوئیاں شروع ہوئیں لوگوں نے ایک دوسرے سے پوچھنا شروع کیا کہ یہ کیا خبر ہے جو محمدؐ دے رہے ہیں۔ انداز وہی جس کو مولانا حالیؔ نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

؎ وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمین جس نے ساری ہلادی

نتیجہ یہ کہ جس سے ہل چل پیدا ہوگئی لوگوں نے ایک دوسرے سے پوچھنا شروع کر دیا عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۝ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ ۝ (آیت ۱، ۲، النبأ) اس بڑی خبر کے بارے میں۔ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ۝ (آیت ۳، النبأ) جس کے بارے میں کہ یہ اختلاف میں پڑ گئے، فرمایا۔ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۝ (آیت ۴، ۵، النبأ) تم انکار کرتے رہو، اعراض کرتے رہو، وہ گھڑی تمہارے سامنے آجائے گی پھر تمہیں معلوم ہوگا اور پھر تم پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ اس کے بعد ایک جوڑا ہے سورہ النّٰزعٰت اور سورۃ عبس پر مشتمل۔ ان میں مشترک نقطہ یہ ہے کہ دونوں میں قیامت کا ذکر ہے

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ (آیت ۳۵، النّٰزعٰت) فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ۝ (آیت ۳۳، عبس) اور قیامت کے احوال کا بیان ہوا۔ سورہ عبس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلقین فرمائی گئی کہ کفار میں سے جو لوگ صاحب حیثیت ہیں، دولت مند ہیں۔ صاحب عزت و وجاہت ہیں ٹھیک ہے ان کا اپنا ایک مقام ہے اس اعتبار سے اگر آپؐ ان کی طرف التفات فرمائیں تو حکمت دین اور حکمت و دعوت کے اعتبار سے یہ غلط نہیں ہے لیکن یہ التفات اتنا نہ بڑھ جائے کہ مسلمانوں کا حق تلف ہو جائے۔ مسلمان جو آپؐ

کے پاس چل کر آتے ہیں۔ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰىۙ وَهُوَ يَخْشٰىۙ (آیت ۹، ۱۰، عبس) ایسا نہ ہو کہ ان کی طرف سے کسی درجہ میں بھی بے اعتنائی آپ کی طرف سے ہو، اس طریقے سے یہ پارہ دو دو سورتوں کے بڑے حسین و جمیل جوڑوں پر مشتمل ہے، پھر سورہ التکویر اور سورہ الانفطار کا جوڑ آتا ہے۔ ان دونوں میں آخرت کے احوال کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اور فرمایا گیا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے گا، اس دن انسانوں کو پتہ چل جائے گا کہ میں کیا چھوڑ کر آیا تھا، اور کیا آگے بھیج کر آیا ہوں۔ آگے ذکر آیا سورۃ التکویر میں وحی الٰہی کی سند بھی بیان کی گئی، اس کے پہلے راوی ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍۙ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍؕ (آیت ۱۹ تا ۲۱، التکویر)

اور دوسرے راوی ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍۚ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِۚ (آیت ۲۲، ۲۳، التکویر)

اس کے بعد سورۃ مطففین اور سورۃ انشقاق پر مشتمل بڑا حسین و جمیل جوڑا ہے۔ دونوں میں انسان کی گمراہی کے دو پہلو سامنے آئے ہیں۔ سورہ مطففین میں کم تولنا ماپنا، یہ درحقیقت علامت ہے آخرت کے انکار کی اور سورۃ الشقاق میں نقشہ کھینچ دیا گیا ہے ایک شخص اپنے اہل و عیال میں خوش و خرم بھولا ہوا ہے کہ ایک دن وہ بھی آنا ہے کہ جب اسے جواب دہی کرنی ہے۔ اس کے بعد سورۃ البروج اور سورۃ الطارق کا ایک خوبصورت جوڑ آتا ہے۔ اسی طرح اور آگے چلئے تو اس میں سورۃ اعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ کا جوڑا ہے، دونوں میں مشترک نقطہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا۔ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰىؕ (آیت ۹، الاعلیٰ) آپ یاد دہانی کرتے رہئے۔ آپ کا فرض منصبی یہی ہے، دعوت و تبلیغ میں لگے رہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرمؐ عام طور پر جمعہ اور عیدین کی نماز میں یہ دو سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے کہ ان دونوں نمازوں کے ساتھ خطبہ ہے اور خطبہ کی غرض و غایت تذکیر ہے، یاد دہانی ہے، اس کے بعد پھر ایک حسین و جمیل جوڑا ہے۔ سورۃ الفجر اور سورہ البلد پر مشتمل۔ اس میں اس وقت کے عرب معاشرے کا ایک پورا نقشہ کھینچا گیا ہے اس کی اخلاقی پستی اور گراوٹ کا تفصیلی حال بیان کیا گیا ہے۔ پھر چار سورتیں ہیں۔ جنہیں چہار سورۃ نور و ظلمت کہا جائے تو غلط نہ ہوگا اس لئے کہ

یہاں متضاد چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی آسمان کی بلندی ہے تو زمین کی پستی ہے، دن کی روشنی ہے تو رات کی تاریکی بھی ہے۔ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝ (آیت ۱، ۲، الشمس) اگلی سورۃ میں فرمایا۔ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝ (آیت ۱، ۲، الیل) رات اور اس کی تاریکی دن اور اس کی روشنی کا ذکر ان تینوں سورتوں میں آیا ہے۔ سورۃ والشمس میں تزکیہ نفس کو بھی اسی انداز میں موضوع بنایا گیا فرمایا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ (آیت ۹، ۱۰، الشمس)

جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔ اور جس نے اس کو اپنے خاکی وجود میں دفن کر کے رکھ دیا وہ ناکام ہوا نامراد ہوا اور اس اگلی سورۃ میں شرح بیان ہوئی اور مقام صدیقیت تک کا ذکر ہوا۔ اس سے اگلی سورۃ ہے سورۃ الضحیٰ جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے آپ کی تسلی و تشفی اور دلجوئی اس طریقے سے کی گئی ہے جس کی اور کہیں مثال نہیں ملتی۔ پھر سورۃ الانشراح ہے، جو اس کے فوراً بعد آتی ہے، اس کے بعد سورۃ والتین ہے جس میں یہ بات سامنے لائی گئی ہے کہ انبیاء و رسل درحقیقت اپنی شخصیتوں کے اعتبار سے ثبوت ہیں، اس کا کہ نوع انسانی کی تخلیق جو ہوئی ہے وہ گھٹیا پیمانے پر نہیں ہوئی ہے بلکہ۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ (آیت ۴، التین)

کہ ہم نے انسان کو نہایت اچھی صورت بخشی۔ دیکھو ہمارے بندے محمدؐ کو، ہمارے بندے موسیٰؑ کو جو کوہ طور پر ہم سے ہمکلام ہوئے، ہمارے بندے عیسیٰؑ کو جو زیتون کے جھنڈوں میں تبلیغ کرتے رہے۔ ہمارے بندے نوحؑ کو جو انجیر کے درختوں میں ان پہاڑوں پہ کہ جہاں انجیر کے درخت بکثرت ہوتے ہیں دعوت تبلیغ دیتے رہے۔ اور پھر سورہ اقراء یا سورۃ العلق ہے جس میں قرآن مجید کی پہلی وحی کی ابتدائی آیات شامل ہیں اسی طریقے سے یہ چھوٹی چھوٹی سورتیں انتہائی جامعیت کے ساتھ اس کے بعد چار پانچ سورتیں آتی ہیں جن میں بالخصوص قیامت کا ذکر ہے۔ اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ ——— (آیت ۴، ۵، القارعہ)

یہ نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اے لوگو تمہیں کس بات نے غافل کیا ہے کہ تم قیامت کی فکر نہیں کرتے اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ (آیت ۱، ۲، التکاثر) یہاں تک کہ تم قبروں تک پہنچ جاتے ہو۔ اس کے بعد

سورۃ العصر ہے جس کے بارے میں پہلے بھی بیان آچکا ہے۔ پھر آئی ہے۔ "سورۃ الھمزۃ" وہ سورہ کہ جس میں نقشہ کھینچ دیا گیا ہے کہ جب انسان پہ غفلت طاری ہوتی ہے تو اس کا کردار کتنی پستیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد سورہ الفیل ہے اور پھر سورہ القریش جس میں خاص طور پر قریش مکہ پر اللہ نے اپنے احسانات جتائے اور انہیں دعوت دی ہے کہ ان احسانات کا حق اس طرح ادا کر سکتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاؤ اور خدائے واحد کی پرستش کرو یہ جو تم نے خانہ کعبہ کو ایک بت خانہ بنا کر رکھ دیا ہے اس کو اس نجاست سے پاک کرو۔ یہ پارہ ختم ہوتا ہے بلکہ یوں کہیئے کہ قرآن مجید ختم ہوتا ہے معوذتین پر یہ دو عظیم سورتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں تلقین فرمائی ہے کہ فلاں فلاں چیزوں کے شر سے میری پناہ طلب کرتے رہا کرو، اس کے لئے ہم تمہیں بہترین کلمات "تلقین فرماتے ہیں۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (آیت ۱، الفلق) اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (آیت ۱، الناس) اور اس حسین وجمیل جوڑے پر یہ آخری پارہ بھی ختم ہوتا ہے اور پورا قرآن مجید بھی اپنے اختتام تک پہنچتا ہے۔

اَللّٰھم نور قلوبنا بالقراٰن وَاشرح صدورنا بالایمان اللّٰھم اٰنس وحشتنا فی قبورنا وارحمنا بالقراٰن العظیم اللّٰھم ذکرنا منہ ما نسیت وعلمنا منہ ما جھلت وارزقنا تلاوتہ اٰناء اللیل واٰناء النھار واجعلہ لنا حجۃ یارب العٰلمین برحمتک یا ارحم الرّاحمین

عرضداشت!

"الکتاب" اردو زبان میں پاکستان سٹیل وژن کارپوریشن لمیٹڈ کی اوّلین مطبوعہ پیشکش ہے۔ ہم نے کوشش تو یہی کی ہے کہ اس میں کوئی غلطی نہ رہنے پائے لیکن اگر سہواً کوئی فروگزاشت ہوئی ہے تو ہم قارئین سے ملتمس ہیں کہ وہ اس کو درگزر فرمائیں۔

پیش کش

پی، ٹی، وی، سینٹرل سیلز آفس۔ کراچی

برائے شعبہ پروگرام

پاکستان ٹیلی وژن کارپوریشن لمیٹڈ

فیروز سنز پرنٹرز (کراچی) لمیٹڈ